

ہفت روزہ
الفتح
کراچی
سرحدوں پر
ٹھاہ! ٹھاہ! ٹھاہ
رنگوں والا
چا! چا! چا
قیمت
۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے
۷۵ پیسے
۲ر اکتوبر - ۴ر نومبر ۱۹۷۱ء

مُصطفیٰ زیدی

عصرِ بغاوت کی آندھیاں

مصطفیٰ زیدی مرحوم کی چند غیر مطبوعہ غزلیں اور منظومات ہمیں اُن کے ایک عزیز دوست نے مرحمت کی ہیں جو ہم وقتاً فوقتاً قارئینِ الفتح کی نذر کریں گے ——— (ادارہ)

میں کس زباں سے پیش کروں ہدیۂ وفا
اے مونس و رفیق و دل و جان و دو نشاں

مجھ سے گناہ گار سے ایسی محبتیں!
مجھ جیسے بے دیار سے یہ غم گساریاں

میں اور میرا دامنِ آلودہ و سیاہ
آپ اور چشم پوشیٔ اعمال گمرہاں

آپ اور طاقِ دل کا سُلگتا ہُوا چراغ
میرے لہُو میں عصرِ بغاوت کی آندھیاں

آپ اور پُرسکون مثالِ خرامِ ابر
میں اور ایسا سخت تلاطم کہ الاماں

یہ سُرخ و بیت نام یہ خُونیں بیافرا
مجھ کو پکارتے ہیں مثالِ پیمبراں

مُجھ سے خراجِ خونِ جگر مانگتا ہے وقت
میں کیا جواب دُوں مرے سوزِ مُفکّراں

کیا یہ کہوں کہ فقر کی جرأت نہیں مجھے
یا پھینک دوں کلاہِ زر افروز و زرچکاں

اِک سمت خاندان ہے اِک سمت سارا ملک
مُجھ کو پکارتی ہیں کئی ذمّہ داریاں

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد:- ۲ شمارہ:- ۲۴

۲۸ اکتوبر - ۴ نومبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

عکاس : الطاف رانا

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی قطر : ۷۵ درم
سعودی عرب : ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح ، ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

اداریہ

مصنوعی اکثریت مسلط کی جا رہی ہے

آج مظلوم عوام، مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کو وطن عزیز کو بچانے کے لئے ایک بہت بڑی جنگ کے لئے کمربستہ ہونا ہے۔ اندرونی دشمنوں نے ملک کی اکثریت کو کچلنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ ہم نے اپنے طور پر یہ فریضہ ادا کیا کہ عوام کو مطلع کردیں کہ انتخابات ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ ۲۴ سال کی تاریخ میں ملک کی اکثریت کو اس تجربے سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ لہٰذا انہوں نے انتخابات کا راستہ اپنایا اور تمام دنیا حیران تھی۔ کہ پاکستانی قوم نے لوٹنے والی طاقتوں، ان کے ایجنٹوں اور امریکی سامراج کے پالتو ٹولے کو مسترد کردیا۔ ان کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ وہ منہ کے بل گرے اور راتوں رات نقشے بدل گئے۔

پھر کیا ہوا؟ یہ تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس میں مظلوم عوام کو انتقام کی بھینٹ چڑھانے کے واقعات درج ہیں۔ عوام نے جن طاقتوں کو رد کیا تھا، ان کے خونی ردعمل کا خوفناک منظر دکھائی دیتا ہے مغربی حصے میں مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کو اخلاقی مجرموں سے بدتر سلوک کا مستحق قرار دیا جاتا ہے ان کو جیلوں میں ٹھونسا جاتا ہے۔ جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ ان پر روزگار کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ اور پھر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے ایک خوفناک منصوبے کو منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ سرمایہ داروں کی پروردہ، نوکر شاہی کی منظور نظر اور سامراجیوں کی امیدوں کا مرکز جماعت اسلامی مشرقی پاکستان میں "مثالی کامیابیوں" اور "فتوحات" کے بعد مغربی پاکستان میں مسلح فورس کے قیام کا اعلان کرتی ہے۔

جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں جس طرح مشرقی پاکستان پر قابض ہو رہی ہیں۔ اس سے ہمارے اس موقف کو مزید تقویت پہنچ رہی ہے۔ کہ پارلیمانی انتخابات کے ذریعے نظام تبدیل نہیں ہوتے۔ اس سے صرف اس نظام کے محافظوں کے چہرے بدل دیئے جاتے ہیں۔ گذشتہ عام انتخابات میں جیتنے والی اکثریتی جماعتوں نے عوام سے نظام تبدیل کرنے کا صرف وعدہ کیا تھا۔ اسی کی بنیاد پر عوام نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا مگر آج انتخابات کو ایک عرصہ ہوچلا ہے۔ اقتدار ان جماعتوں کو نہ ملا۔ اگرچہ صدر مملکت نے اپنے اس عزم کا باربار اعادہ کیا کہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کردیا جائے گا؛ لیکن رجعت پسندوں اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے ایسا نہ ہوسکا۔ اس کے برعکس جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی دوسری جماعتیں مشرقی پاکستان میں ہارنے کے باوجود مسند اقتدار پر براجمان ہوچکی ہیں اور اب امکان اس بات کا ہے کہ وہ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔

آج جو حالات ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ جو عوام دوست طاقتیں پارلیمان کے ذریعے عوامی مسائل کے حل کے لئے مصروف ہیں۔ انہیں اس محاذ پر کام کرنے دیا جائے۔ ان کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کو مجبور کیا جائے کہ وہ دیکھیں کہ ان کے حلقہ ہائے انتخاب میں عام شہری کس کرب اور اذیت سے گزر اوقات کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ اپنی بقا کے لئے عوام سے رابطہ قائم کرنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ ان میں سے جو افراد پس و پیش سے کام لیں، ان کا محاسبہ کیا جائے۔ تاکہ وہ آئندہ انتخاب لڑنے سے توبہ کرلیں۔

سب سے اہم کام یہ ہے کہ "فسطائی" طاقتوں کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے سیاسی کارکنوں کو منظم کیا جائے۔ انہیں ہر قسم کے حملے کا جواب دینے کے لئے مکمل تربیت دی جائے۔ گلی گلی، کوچے کوچے اور دیہات میں، عوام دشمن طاقتوں کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے تمام کارکن حرکت میں آجائیں۔

عوام دشمن طاقتوں نے وطن عزیز کو جس کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اُسے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ مزدور کسان اور دانشور متحد ہو کر اپنا تاریخی کردار ادا کریں۔ اس سے غفلت برتی گئی تو مغربی پاکستان کو بھی عظیم المیے سے نہیں بچایا جاسکے گا۔

مسٹر بھٹو مصر اور لیبیا کے دورے پر کیوں گئے؟

مسٹر بھٹو مصر، لیبیا کے باقاعدہ سیاسی دورے۔ جنیوا اور فرانس میں نجی دورے پر ہیں۔

رجعت پرست عناصر حسبِ معمول اس دورے کے سلسلے میں قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ اندرا گاندھی سے ملنے اور کہیں سی۔آئی۔ اے سے قرابت کے الزامات عائد کیے جا رہے ہیں۔ غیر ملکی سفر یا دورے پر پابندی عاید کرنا یا دورے کا سبب جاننا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ رجعت پرست عناصر کو یہ جرأت جانے کیوں نہیں ہوتی کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ بھٹو صاحب کو غیر ملکی دورے سے روکے۔ خود تو رجعت پرست عناصر بھیک مانگتے ہیں کہ اُن کو دوروں پر بھیجا جائے لیکن اگر ایک بین الاقوامی شخصیت اپنے اثر و رسوخ اور ذاتی تعلقات کو استعمال کر کے ملکی بحران کے سلسلے میں دوسری طاقتوں کی جائز مدد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ تو یہ سب چیخ اُٹھتے ہیں بھٹو صاحب باہر جاتے ہیں تو کروڑوں عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ شکست خوردہ عناصر کے جو ٹولے غیر ممالک میں جا رہے ہیں وہ کس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کس حیثیت سے بات کرتے ہیں۔

لیبیا اور مصر سے پاکستان کے تعلقات انتہائی برادرانہ ہیں۔ بھٹو صاحب کے تعلقات لیبیا کے سربراہ کرنل قذافی اور مصر کے سربراہ انور سادات سے انتہائی دوستانہ ہیں۔ کرنل قذافی نے لیبیا میں بادشاہت کا خاتمہ کر کے لیبیا کے عوام کو انقلاب کی روشنی دکھائی ہے۔ لیبیا میں اب عوام کی زندگی میں جو خوشحالی رفتہ رفتہ آ رہی ہے اس کی ایک دُنیا شہادت دیتی ہے۔ لیبیا سے امریکی سامراج کے اڈوں کو جس طرح صاف کیا گیا اس سے قذافی کو افریقہ اور ایشیا میں ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ مصر، لیبیا ایک وفاق میں منسلک ہیں۔ اس وفاق کو ان خطّوں کے عوام کی حمایت بھی حاصل ہے۔ یہ افریشیائی عوام اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی طرف قدم ہے۔ لیبیا ایک خوشحال ملک ہے آبادی کم ہے، وسائل پیداوار بہت زیادہ ہیں۔ پاکستان اور لیبیا کے عوام ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ لیبیا کے عوام۔ پاکستان کے عوام کی خوشحالی میں یقیناً دلچسپی لیں گے۔ پاکستان کی طرف سے مسٹر بھٹو عوام کے اقتصادی مسائل جس طرح بیان کر سکتے ہیں۔ یہ کسی اور لیڈر کے بس کی بات نہیں ہے۔ پاکستان میں جماعتِ اسلامی نے بالخصوص اور دوسری رجعت پرست پارٹیوں نے بالعموم تمام ترقی پسند عرب ممالک کی پالیسیوں کی مخالفت کی ہے۔ مصر کے وہ شروع سے مخالف رہے۔ شام اور عراق سے ان کی جان جاتی ہے۔ الجزائر بھی انہیں پسند نہیں ہے۔ سوڈان، لیبیا میں انقلاب پر اُن کے دل دہل اُٹھے تھے۔ انہیں پسند ہے تو اردن اور سعودی عرب، جہاں اب تک ملوکیتیں چل رہی ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ براہِ راست اپنا پنجہ گاڑے ہوئے ہیں۔ بادشاہت کے زمانے میں لیبیا کے اڈے اسرائیل کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ اُردن نے فدائین کا جس طرح خون بہایا ہے۔ وہ ایک المناک داستان ہے۔ سعودی عرب کی مقدّس سرزمین امریکی سرمایہ داروں کے اقتصادی تسلّط میں ہے۔

ایسے میں لیبیا اور مصر میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور پاکستان کے سابق وزیر خارجہ بھٹو کا یہ دورہ پاکستان کے عوام کے لئے ہے۔ بھارت کی طرف سے اس وقت پاکستان کو جارحیت کے جو خطرات لاحق ہیں۔ اس کے پیشِ نظر بھی یہ دورہ نہایت اہم ہے کہ اُن دوست ملکوں پر پاکستان کا موقف واضح ہو سکے گا۔ اس سے پہلے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری اور دوسرے لوگوں نے جو دورے کئے ہیں بالکل بے اثر رہے۔ اور روسی بلاک میں پاکستان کے خلاف انتہائی نفرت اور بدگمانیاں پھیل چکی ہیں۔ محکمہٗ خارجہ کی بے ہدایتی نے ہمارے سفارتخانوں کو بھی ناکارہ بنا دیا ہے۔ یہ محکمہ خارجہ کی بے اثری کی دلیل ہے کہ نیپال جیسے دوست ملک نے پاکستانی سفارتخانے کے ایک مفرور افسر کو نیپال میں سیاسی پناہ بھی دے دی اور "بنگلہ دیش" کا مشن قائم کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ دنیا بھر میں ڈپلومیٹک سطح پر پاکستان کو جو مار پڑ رہی ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اب بھی غیر مرئی ہاتھ اپنی کارروائیاں روک دیں اور عوام کے حقیقی نمائندوں کو برسرِ اقتدار آ کر اس ملک کی تقدیر کے فیصلے کرنے دیں۔ تو بہتر ہے۔ ورنہ حالات ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

ضمانتیں ضبط کروانے والے بلامقابلہ منتخب ہوگئے

ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

پی پی پی اور پی ڈی پی میں مفاہمت ہوگئی

محمود شام

"مشرقی پاکستان میں ضمانتیں ضبط کروانے والے بلامقابلہ منتخب ہو رہے ہیں اور دھڑا دھڑ منتخب ہو رہے ہیں۔"

"یہ لوگ بلامقابلہ ہی منتخب ہو سکتے ہیں' مقابلے میں تو انہیں سات آٹھ سو سے زیادہ ووٹ نہیں مل سکتے تھے۔"

"اندھا بانٹے ریوڑیاں، اپنوں ہی کو دے"

اکثریتی پارٹی کے کالعدم قرار دیئے جانے کے بعد ارباب اختیار نے مشرقی پاکستان کو شکست خوردہ عناصر کے سپرد کر دیا ہے بندر بانٹ جاری ہے چھ ہم خیال جماعتوں نے اتحاد کیا تو صرف نشستوں کی بندر بانٹ پر۔ اب "مستقبل کے وزیراعظم" اور اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد جناب محمود علی نے بھی اس اتحاد کو اتحاد کی بجائے نشستوں کے سلسلے میں مفاہمت قرار دیا ہے ضمنی انتخابات میں سب سے زیادہ لاٹری پاکستان جمہوری پارٹی کی نکلی ہے اس کے بعد جماعت اسلامی پھر دوسری پارٹیاں۔ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے لئے چھ نشستوں کا کوٹہ رکھا گیا ہے اسے اس "بندر بانٹ" میں شریک نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے اسے زیادہ کاغذات ہی داخل نہیں کرنے دیئے گئے الیکشن میں اس کے باوجود جیتنے کے امکانات نہیں تھے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ سیٹوں کے بلامقابلہ طے ہو جانے کی حکمت عملی تیار کی گئی ہے۔

دسمبر ۱۹۷۰ء سے اب تک جانے کتنے منصوبے بنائے گئے فیل ہوگئے (۱) دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے لئے کچھ غیر مرئی طاقتوں کا منصوبہ یہ تھا عوامی لیگ صرف مشرقی پاکستان سے ۵۱ فی صد مغربی اور مشرقی پاکستان کی باقی پارٹیاں مجموعی طور پر ۶۰ فی صد اور مغربی پاکستان سے پیپلز پارٹی زیادہ سے زیادہ بیس پچیس سیٹیں اس طرح چھوٹی پارٹیوں کا ایک گروپ بن جائے۔ جسے ہاتھ میں رکھنا آسان ہوگا لیکن ۷ دسمبر کو دو اکثریتی پارٹیاں عوام کا اعتماد لے کر سامنے آگئیں (۲) فروری ۱۹۷۱ء مغربی پاکستان کے شکست خوردہ عناصر مجیب الرحمٰن سے مل کر اشتراک کرنے لگے معاملات قریباً طے بھی ہو رہے تھے۔ مخلوط قومی حکومت تک بننے کی خبریں آگئیں۔ مارچ کے واقعات سب کے سامنے ہیں کل تک جو مجیب کو اقتدار دلوا رہے تھے، وہ ایک دم پھر محب وطن بن گئے۔ اور مجیب کے بارے میں انکشافات کرنے لگے (۳) کچھ لوگوں نے منصوبہ بنایا کہ فوجی حکومت کسی تبدیلی کے بغیر ہی چلتی رہے تو بہتر ہے اقتصادی اور سیاسی حالات اس کے برعکس تھے صدر یحییٰ نے جون ۱۹۷۱ء میں اپنے انتقال اقتدار

مشرقی پاکستان میں
سیٹوں کی بندر بانٹ'
پیپلز پارٹی کے لیے صرف چھ

کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ (۴) کچھ غیر مرئی طاقتوں نے اس بات کو ہوا دی کہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی پیپلز پارٹی علاقائی پارٹی ہے اسے بھی خلاف قانون قرار دیا جانا ہے اس لئے پوری اسمبلی کے انتخابات دوبارہ ہوں بڑی دیر تک منصوبے بنتے رہے۔ مجیب کی بجائے بھٹو کو مشرقی پاکستان میں کشت و خون کا ذمہ دار قرار دیا جانے لگا۔ اس سے خود صدر یحییٰ کے احکامات بھی زد میں آئے۔ مگر ان کا کوئی نوٹس نہ لیا گیا (۵) پھر مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات پر تکیہ کیا گیا۔ کہ وہاں سے سیٹیں لے کر مصنوعی اکثریت بنائی جائے گی۔ اور مغربی پاکستان کی اکثریتی بائیں بازو کی پارٹی کو ذمہ داری نہیں سنبھالنے دی جائے گی۔ ۷۸ سیٹوں کے لئے کاغذات نامزدگی کے داخل ہوتے یہ منصوبہ کھل کر سامنے آگیا ہے دسمبر ۱۹۷۰ء میں صرف ایک سیٹ جیتنے والی پارٹی ملک کی وزارت عظمیٰ کے خواب دیکھ رہی ہے مشرقی پاکستان کے عوام سے ۲۴ سال تک جو زیادتیاں کی گئیں وہ اپنی جگہ اب تاریخ کی سب سے بڑی زیادتی ان کے ساتھ یہ کی جا رہی ہے کہ جن عناصر کو انہوں نے ہمیشہ مسترد کیا تھا، اب انہیں چور دروازوں سے ان پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ اب منصوبہ یہ ہے کہ پاکستان جمہوری پارٹی جماعت اسلامی قیوم لیگ، کنونشن لیگ کونسل لیگ اور نظام اسلام پارٹی کی مخلوط قومی حکومت بنائی جائے اس مصنوعی اکثریت میں زیادہ سیٹیں پاکستان جمہوری پارٹی کو "الاٹ" کی جا رہی ہیں یہ سیٹیں صرف مشرقی پاکستان میں ہیں، پی ڈی پی۔ مغربی پاکستان میں صفر ہے جماعت اسلامی کو ادھر صرف چار سیٹیں ملی تھیں اور مشرقی پاکستان میں صفر، قیوم لیگ کنونشن لیگ کونسل لیگ کے دامن بھی اسی طرح خالی ہیں نظام اسلام پارٹی کا تو ذکر ہی کیا۔

یہ ان پارٹیوں کی عوام میں مقبولیت کا عالم ہے غیر مرئی طاقتیں، ارباب اختیار اور خود یہ سیاسی پارٹیاں جانے کیسے مطمئن ہو جاتی ہیں کہ سرکاری بیساکھیوں کے ذریعے اپنی مصنوعی اکثریت قائم رکھ سکیں گی؟ پاکستان پیپلز پارٹی کے پاس مغربی پاکستان میں ۸۸ سیٹیں ہیں اور چھ سیٹیں مشرقی پاکستان میں مل رہی ہیں کل ۹۴ سیٹیں ہو جائیں گی۔ اگر باقی ۸۸ اہل ارکان اسمبلی کی نشستوں میں سے خالی ہونے والی سیٹوں میں اسے کوئی بھی سیٹ نہ ملے تب بھی ۹۴ سیٹیں ہیں۔ جو اور کسی پارٹی کے پاس نہ ہوں گی

اگر قومی مخلوط حکومت کے قیام کے بعد اس پارٹی کے کچھ موقع پرست بھاگ بھی جاتے ہیں تو ان کی تعداد ۲۰ سے زیادہ نہ ہوگی۔ کیونکہ سندھ، پنجاب میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومتیں بہرحال بنتی ہیں۔ قومی اسمبلی کے ارکان حضرات صوبائی حکومتوں کا غیظ و غضب کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں پھر عوام کا دباؤ بھی ہوگا۔ اس کے بعد بھی ۷۰ ارکان کی ٹھوس اکثریت پیپلز پارٹی کے پاس ہوگی اور دو صوبوں کی حکومتیں بھی، سرحد میں بھی، اس کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے پھر مشرقی پاکستان کے عوام میں اپنے سوشلسٹ پروگرام اور زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری، استحصال کے خاتمہ اور بائیں بازو سے مفاہمت کے باعث آہستہ آہستہ وہ جگہ بنالے گی۔ ایسے ٹھوس اکثریتی گروپ کے ہوتے چھوٹے چھوٹے گروپوں پر مشتمل کمزور مخلوط حکومت کتنی دیر چل سکتی ہے۔ پاکستان کی پارلیمانی تاریخ سامنے رکھ لیں۔ کمزور مخلوط حکومتوں کو تہ و بالا کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے۔

ٹھوس سیاسی اکثریت سے خوفزدہ، غیر مرئی ہاتھ اس وقت نہایت خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں۔ لیکن اس کا انجام ان کے حق میں ہی بہتر نہ ہوگا۔ (وقت آنے پر ان "ہاتھوں" کو بے نقاب بھی کیا جائے گا) جس طرح پہلے تمام سیاسی منصوبے، اندازے اور نقشے تلپٹ ہو گئے ہیں۔ اب کے بھی یہ بیل منڈھے چڑھنا مشکل ہے۔ پہلے سے موجود اکثریتی پارٹی پیپلز پارٹی اور آئندہ بننے والی اکثریتی پارٹی پاکستان جمہوری پارٹی کے درمیان مفاہمت کی راہ ہموار ہو رہی ہے قومی مفاد کے لئے جب نورالامین صاحب مجیب الرحمٰن کو تعاون کا یقین دلا سکتے ہیں۔ اور ایک ہی اکثریتی پارٹی کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب وہ اقلیتی پارٹیوں پر مشتمل اکثریت کو کیسے تسلیم کر لیں گے۔ محمود علی نے بھی اس امکان کو قطعی طور پر نظرانداز نہیں کیا۔ اگر یہ مفاہمت ہو گئی تو جماعت اسلامی اور اس کے پیچھے کارفرما غیر مرئی ہاتھ بے شل ہو جائیں گے۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں بھی جماعت اسلامی کے ترجمان کہتے تھے: ۷، دسمبر ۱۹۷۰ء کو سبز انقلاب آجائے گا۔ روزنامہ "جسارت" نے ۷، دسمبر کی صبح کو یہی خبر شائع کی تھی کہ جماعت اسلامی کے امیدوار بھاری اکثریت سے جیت جائیں گے۔

اب ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء کے "ایشیا" میں بھی لکھا گیا ہے "۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو انشاء اللہ خیر و سلامتی کا ایک ایسا انقلاب آئے گا جس سے تاریکی، خوف اور خطرے کے تمام اندھیرے چھٹ جائیں گے، حالانکہ یہ نام نہاد "انقلاب" اسی روز آجائے گا جس روز کاغذات نامزدگی واپس لینے کی آخری تاریخ ہوگی۔

جماعتِ اسلامی کا اسلام



بھٹو کی مقبولیت

خان عبدالوحید خان ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب کے آخری آثار و مظاہر کی تصویر ہیں۔ ان سے ملئے اور اس ملاقات سے انداز کیجئے کہ ہم کن مرحلوں سے گزر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔

جماعت اسلامی اور تینوں مسلم لیگیں اسلامی نظریہ حیات کی ترجمان ہیں مگر باہمی انتشار و افتراق نے مسلم لیگ کی قیادت کو بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ جماعت اسلامی کی قیادت فعال اور صالح ہے۔ لیکن اگر ساری جماعت کو بھی کھنگال جائیے تو ایک مولانا مودودی کی شخصیت کے سوا کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جسے اس کے اہل محلہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں وہ تمام قابل قدر ہستیاں جو اس جماعت کے سابقون الاولون میں تھیں، نکل گئیں یا نکال دی گئیں، اس طرح جماعت میں نظم اور ڈسپلن تو قائم رہا۔ مگر بحیثیت جماعت وہ قومی سیاست میں کوئی موثر کردار ادا نہ کر سکی۔ انتخابات میں خاص طور سے مقامی اثرات رکھنے والی قیادت کامیاب ہوتی ہے۔ مولانا مودودی اپنی تحریروں اور تصنیفوں کی وجہ سے ضرور مقبول ہیں۔ مگر وہ ایک سیاسی قائد کی حیثیت سے اتنے طاقتور نہیں کہ مقامی قیادت کو اپنے ساتھ وابستہ کئے بغیر تن تنہا جماعت کو کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ افسوس یہ ہے کہ خود مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں میں صحیح سیاسی اندازے لگانے اور اپنی طاقت کا صحیح وزن کرنے والا تجربہ موجود نہیں اس پر طرّہ یہ کہ گذشتہ دس بارہ برس میں اسلام کے بنیادی مسائل کی تعبیرات و تاویلات سے متعلق جماعت اسلامی کی پالیسیوں میں اتنے تغیرات ہو چکے ہیں۔ کہ سیدھے سادے مسلمانوں کے لئے جماعت اسلامی کے اسلام کو سمجھنا ذرا مشکل ہو گیا ہے۔

پھر بھی جماعت اسلامی تشکیل کردار اور تخلیق سیرت میں بہرحال ایک کردار ادا کر سکتی ہے۔ اور اگر مسلم لیگ اور جمہوری پارٹی کے ساتھ کھلے دل سے تعاون کرے تو دایاں بازو کی جماعتوں کے لئے قوت و استحکام کا باعث ہو سکتی ہے، ذاتی طور پر میں مولانا مودودی کے علم و فضل کا معترف اور جماعت اسلامی کی ترقی کا خواہش مند ہوں۔ ان سے میرے تعلق کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ میری ایک کتاب کا دیباچہ اُن کے قلم سے ہے

ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کی یہ زبردست غلطی تھی۔ کہ ایوب خان کے خلاف ان کی تحریک میں بلا سوچے سمجھے مسٹر بھٹو کو قائد تسلیم کر لیا گیا۔ پنجاب کے شہروں خصوصاً لاہور میں بھٹو کے جلوس اس شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے نکالے گئے کہ عوام بھٹو کو جمہوریت کا سب سے بڑا قائد اور باقی لیڈروں کو ان کے تابع مہمل سمجھنے لگے۔ جلوسوں میں بھٹو زندہ باد کے نعرے لگتے اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈران کی رہنمائی کرتے۔ آخر اس کا ردِ عمل بھٹو کی بے پناہ مقبولیت کے علاوہ اور کیا ہوتا۔ عوام کو الزام دینے والے ان تفصیلی حالات کی روشنی میں فرمائیں کہ عوام اس سلسلے میں کہاں تک قصوروار ہیں۔ انہیں تو یہی بتایا گیا تھا۔ کہ پی ڈی ایم کے لیڈران کرام بھٹو کے پیروان سیاسی ہیں اور جمہوریت کے قیام کا اصل ہیرو ذوالفقار علی بھٹو ہے۔ جہاں تک عوامی مسائل کے اضطراب کا تعلق ہے کئی جماعتوں نے پیپلز پارٹی سے بھی بڑھ کے عوامی منشور پیش کئے ہیں۔ خود جماعت اسلامی کا منشور خاصا ترقی پسندانہ تھا۔ مگر واقعہ صرف اتنا ہے کہ مزدور، کسان اور کم آمدنی والے طبقات بھٹو کو اپنا لیڈر مان چکے اور ان کے دل میں سے اس خیال کو نکالنا دشوار ہو چکا تھا۔ دریں حالات بھٹو نے جو وعدہ کیا۔ عوام نے سچ جانا یا اب اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا کہ عوام کا یہ اعتماد کہاں تک بجا تھا؟

(بشکریہ ہفت روزہ "چٹان" ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۱ء)



پشاور میں پی پی آئی کا مشن 007



پی آئی اے کے افسر نے کہا:

"۔۔۔۔ شکر ہے بھٹو صاحب بخیریت نکل گئے ۔۔۔۔"

بھٹو پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ

اباسین نمائندہ الفتح پشاور کی خصوصی رپورٹ

پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان کے چیئرمین جناب بھٹو کا دورہ سرحد کئی لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل رہا ہے، ڈیرہ اسمٰعیل خان، پشاور، امان گڑھ، مردان، تیمر گرہ اور مالا کنڈ میں انہوں نے صوبۂ سرحد کے غریب عوام سے اپنے رابطے کی مہم کا احیاء جس والہانہ انداز سے کیا ہے۔ اور عوام کا جو ردِ عمل دیکھنے میں آیا ہے اس کے دوررس نتائج کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جناب بھٹو کے اس دورے سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو گئی ہے کہ گزشتہ دس ماہ سے ملک جس ہولناک بحران سے گزر رہا ہے، مستقبل قریب میں وہ کون سی شکل اختیار کرے گا۔

جناب بھٹو کے اس دورے کا دوسرا پہلو بدنام زمانہ خبررساں ایجنسی پی پی آئی کا "مشن ۰۰۷" ہے۔ پی پی آئی کے اس مشن کا انکشاف ۱۲ اکتوبر کو پشاور ایئرپورٹ پر اس وقت ہوا جب پی آئی اے کے ایک سیکورٹی آفیسر نے برقی آلے کی مدد سے پی پی آئی کے نمائندہ پشاور مسٹر شاہین صہبائی کی جیب سے ایک عدد بین کی قسم کا پستول اور چار عدد کارتوس دریافت کیے۔ مزید گواہوں کے مطابق اس پستول اور ان کارتوسوں پر امریکی ساخت کا نشان تھا۔

واقعات کے مطابق پی پی آئی کا نمائندہ پشاور کے دو دوسرے اخبار نویسوں جناب اشرف مرزا اے پی پی اور جناب ہمایوں فر روزنامہ مشرق کے ہمراہ ڈیرہ اسمٰعیل خان جا رہا تھا جہاں اسے جناب بھٹو کے دورے کو کوّر کرنا تھا۔ صحافیوں کی اس ٹیم کے دورے کا بندوبست پاکستان پیپلز پارٹی سرحد کے صدر مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ کی طرف سے کیا گیا تھا جو خود ایک روز قبل ڈیرہ روانہ ہو گئے تھے۔

پی پی آئی کے مشن ۰۰۷ کے بارے میں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس مشن کا اصل مقصد کیا تھا۔ پی آئی اے کا طیارہ اغوا کرانا تھا۔ یا خدانخواستہ جناب بھٹو کے لئے کوئی خطرہ پیدا کرنا تھا۔

اب تک جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ بھی کچھ کم تشویشناک نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ پی آئی اے کے سیکورٹی اسٹاف نے جب مسٹر شاہین کے سوٹ سے بین ٹائپ پستول اور چار کارتوس برآمد کئے تو جناب بھٹو کے دورے کی اہمیت کے پیش نظر مسٹر شاہین کو فوراً سیکورٹی انچارج مسٹر نظامی کے کمرے میں لے جایا گیا، تاکہ اس بارے میں فوری کارروائی کی جا سکے، پتہ چلا ہے کہ سیکورٹی انچارج کو جب معاملے کا پتہ چلا تو انہوں نے بغیر کسی تاخیر کے پولیس کو بلانا چاہا تاکہ مسٹر شاہین کو تحقیقات کے لئے پولیس کے حوالے کیا جا سکے۔ مگر موقع پر موجود بعض افراد نے مسٹر نظامی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ پولیس کو بلانے سے پہلے اس بات کی تسلی کر لیں کہ آیا مسٹر شاہین کی نیت نیک تھی یا بُری، کچھ لوگوں نے رائے دی کہ اگر قواعد کی رو سے یہ کوئی سنگین مسئلہ نہ ہو تو مسٹر شاہین کو ایک ذمہ دار صحافی سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسٹر نظامی بہت دیر تک اصرار کرتے کہ مسئلہ سنگین ہے اور مسٹر شاہین کو پولیس کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ مگر اسی دوران پیاسی کے کسی اہم رکن کی مداخلت آڑے آئی اور مسٹر نظامی نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ مسٹر نظامی نے مسٹر شاہین کو جہاز میں سفر کرنے کی اجازت دے دی اس شرط پر کہ وہ اپنا اسلحہ ساتھ لے کر نہ جائیں، چنانچہ ایک اطلاع کے مطابق مسٹر شاہین نے پستول اور کارتوس پیاسی کے اسی ذمہ دار کارکن کے حوالے کر دیئے۔ جس کی مداخلت پر انہیں نجات ملی تھی تاکہ وہ یہ دونوں چیزیں ان

پی پی آئی کا رپورٹر قلم نما پستول، امریکی ساخت کے ۴ کارتوس

کے گھر پہنچادے۔

یہ واقعہ ۱۲ اکتوبر کو رونما ہوا تھا۔ مگر پشاور کے محدود صحافتی حلقوں میں اس کی اطلاع اس وقت پہنچی جب ڈیرہ گئے ہوئے صحافی پشاور واپس آگئے ! ۱۳ اکتوبر کو جب جناب بھٹو پشاور ایرپورٹ سے نکل کر گاڑی میں سوار ہو رہے تھے تو مسٹر نظامی یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسٹر بھٹو خیریت کے ساتھ ایرپورٹ سے نکل گئے" جن لوگوں نے مسٹر نظامی کے یہ کلمات سنے تھے وہ خیریت کے اصل مفہوم سے آگاہ نہ تھے، میں بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے خیریت کا کا مطلب لغت کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی۔

۱۳ اکتوبر کو بھٹو صاحب پشاور میں مصروف رہے اگلے روز تقریباً ساڑھے دس بجے وہ پشاور سے مردان کے لیئے روانہ ہو گئے۔ پشاور سے مردان تک نہیں راستے میں دو مقامات پجی اور امان گڑھ میں مختصر خطاب کرنا تھا اُسی روز یعنی ۱۴ اکتوبر کو انہوں نے مردان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا۔ مردان کے بعد ہاتھیان جانا تھا اور پھر تیمر گرہ دیر میں ایک جلسے سے خطاب کرنا تھا۔ رات مالاکنڈ میں گذارنی تھی اور ۱۵ کو مالاکنڈ ہی میں ایک جلسے سے خطاب کرنا تھا۔ دورے کے اس پروگرام کی وجہ سے اخبار نویس ۱۳ سے ۱۵ اکتوبر تک مصروف رہے، ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ اکتوبر کے تین روز ۱۲ اکتوبر کے واقعات کے بارے میں معلومات جمع کی گییں۔ ۱۸ اکتوبر کو پی آئی اے کے بعض افراد سے بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

معلومات کے دوران یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ پی آئی اے کے اکثر افراد کو اس واقعے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ اگر وہ کچھ جانتے بھی تھے تو اس کا تذکرہ مناسب نہ سمجھتے تھے ایرپورٹ سکیورٹی انچارج سے رابطہ قائم کیا گیا تو جواب ملا کہ ۱۲ اکتوبر کو اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ بعد میں جب دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کی گییں تو پتہ چلا کہ واقعہ ہوا تو ضرور تھا مگر راوی کے بیان کے مطابق اس کی شکل وصورت کچھ مختلف تھی، راوی سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ ۱۲ اکتوبر کو چند صحافی پشاور سے ڈیرہ جا رہے تھے۔ جن میں سے ایک اخبار نویس نے سکیورٹی افسر کو رضاکارانہ طور پر یہ بتایا کہ اس کے پاس ایک عدد پین پسٹل اور چار کارتوس ہیں جو کوٹ کی جیب میں پڑے ہوئے تھے اور یہ کہ اخبار نویس کو گھر سے چلتے وقت اس کا علم نہ تھا۔ راوی کا کہنا تھا کہ اخبار نویس نے رضاکارانہ اظہار حقیقت کے بعد اجازت طلب کی کہ وہ اسے اسلحہ ساتھ لے جانے نہ روکا جائے مگر چونکہ ان کا یہ دورہ جناب بھٹو کے دورے کے سلسلے میں تھا اس لیئے سکیورٹی افسر اخبار نویس کو سکیورٹی انچارج مسٹر نظامی کے پاس لے گیا، مسٹر نظامی نے اخبار نویس کی خواہش کو تسلیم نہ کیا، اور اخبار نویس کو مجبور کیا کہ وہ اسلحہ چھوڑ کر جائیں، جس پر اخبار نویس نے وہ اسلحہ اپنے کسی دوست کو دے دیا تاکہ وہ ان کے گھر پہنچادے۔

پی آئی اے کے اس راوی نے معلومات کے ضمن میں بتایا کہ سکیورٹی حکام کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اگر کسی شخص کے کپڑوں، بریف کیس یا سوٹ کیس میں برقی آلے کی مدد سے اسلحہ دریافت کریں تو ایسے شخص کو فوری طور پر پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ وہ یہ حقیقت معلوم کرے کہ اس شخص نے دانستہ سکیورٹی والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کیوں کی تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص خود ہی رضاکارانہ طور پر یہ بتادے کہ اس

پی پی پی کے اہم رکن نے

• شاہین صہبائی کو پولیس کے

حوالے ہونے سے بچالیا

کے پاس اسلحہ ہے تو سکیورٹی حکام اسلحہ وصول کر کے اپنے قبضے میں رکھ لیتے ہیں اور سفر کے اختتام پر مالک کے حوالے کر دیتے ہیں

ایک ہی دن ایک ہی تاریخ اور ایک ہی مقام کے بارے میں دو مختلف زاویوں سے حاصل ہونے والی رپورٹ پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو پورے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھا جائے۔

۱۔ سب سے پہلی بات جو توجہ طلب ہے وہ پی پی آئی کا کردار ہے پیپلز پارٹی اور جناب بھٹو کے بارے میں پی پی آئی ایک عرصہ سے جو کردار انجام دے رہی ہے اسے پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔ مزید برآں پی پی آئی کا مشرقی پاکستان کے حالیہ بحران میں منکشف ہونے والے کردار کو بھی سامنے رکھنا کچھ کم ضروری نہیں

۲- پی پی آئی کا نمائندہ پشاور ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء سے قبل کبھی بھی جناب بھٹو کے کسی دورے کو کور کرنے کے لیئے ڈیرہ اسمٰعیل خان نہیں گیا۔

۳۔ ۱۲ اکتوبر کو پشاور میں ڈھائی ہزار سالہ جشن شہنشاہیت ایران کی بہت سی تقریبات تھیں اور تقریباً بہت سی تقریبات میں صوبائی گورنر کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہونا تھا چونکہ مقامی تقریبات بھی اہم تھیں اور چونکہ پی پی آئی کا پشاور میں صرف ایک ہی نمائندہ ہے اس لیئے پی پی آئی کے نمائندے کا فوری طور پر یہ فرض تھا کہ وہ مقامی تقریبات کو فوقیت دیتا۔ جبکہ پی پی آئی کا نمائندہ مقامی تقریبات کو چھوڑ کر جانے کے لیئے تیار ہو گیا۔

۴- پی پی آئی کا نمائندہ صحافیوں کی اس جماعت میں پروگرام کے مطابق شامل نہ تھا جیسے پیپلز پارٹی کی طرف سے ڈیرہ لے جایا جانا تھا۔ بلکہ پی پی آئی کے نمائندے کی خواہش پر پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر نے انہیں بھی دورے کے پروگرام میں شامل کر لیا اور ان کے ٹکٹ کا بندوبست کر دیا۔

۵- اگر پی پی آئی کے نمائندے کے لیئے جناب بھٹو کا دورہ کور کرنا ضروری تھا۔ تو ڈیرہ سے واپسی کے بعد اس نے مردان، دیر اور مالاکنڈ کا دورہ کیوں نہ کور کیا، جبکہ پیپلز پارٹی کی طرف سے کئی صحافیوں کو ساتھ لے جانے کا مناسب اور معقول بندوبست بھی تھا۔ اور یہ کہ ان تاریخوں میں پشاور میں گورنر یا کسی دوسرے اعلیٰ حاکم کی کوئی تقریب بھی نہ تھی۔

اب ذرا اُسی تضاد پر غور کیجیئے جو اصل واقعات اور راوی کے بیان کردہ واقعات میں موجود ہے۔

۱- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پی پی آئی کے نمائندے کو کیونکر یہ پتہ نہ چلا کہ ان کے کوٹ کی جیب میں ایک عدد پین پسٹل اور چار عدد کارتوس ہیں جبکہ وہ گذشتہ ایک ماہ سے وہی سوٹ مسلسل پہنتا چلا آرہا ہے۔

۲- پی پی آئی کا نمائندہ ایک پڑھا لکھا جوان ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اخبار نویس ہے کیا اُسے معلوم نہ تھا کہ پی آئی اے میں نیک نیتی یا بدنیتی سے اسلحے کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے؛

۳- اگر اسے یہ معلوم تھا جیسا کہ راوی کے بیان سے ظاہر ہے تو اس نے یہ کیوں نہ محسوس کیا کہ جو اسلحہ وہ رضاکارانہ طور پر پیش کر رہا ہے۔ وہ قانوناً ممنوع ہے ؟

یہ پشاور کے رپورٹر کی ذاتی سازش تھی یا پی پی آئی کے سازشی منصوبوں کا حصہ

۴۔ اگر اس نے اسلحے کی اہمیت کو بھی محسوس نہیں کیا تو اس نے اسلحے کو ساتھ لے جانے پر کیوں اصرار کیا؟

۵۔ جو شخص قواعد کو اتنا جانتا ہو کہ پی آئی اے والے برقی آلے سے تلاشی لیتے ہیں اور اسلحہ ساتھ نہیں لے جانے دیتے کیا وہ اتنا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک غلط کام پر مُصر ہو؟

۶۔ اگر پی پی آئی کے نمائندے نے ائیرپورٹ پر پہنچ کر یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسلحہ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تو اس نے اُسی وقت وہ پستول اور کارتوس اپنے اُس شناسا کے حوالے کیوں نہ کر دیئے جسے بعدازاں اس نے مبینہ طور پر گھر پہنچانے کے لئے دیئے تھے اور جس کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ پیاسی کا اہم رکن ہے

۷۔ قاعدے کے مطابق تو اصول یہ ہے کہ رضاکارانہ طور پر جو لوگ اپنا اسلحہ کاؤنٹر پر جمع کراتے ہیں، پی آئی اے کے حکام انہیں سفر کے خاتمے پر وہ اسلحہ واپس کر دیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ سیکورٹی کے حکام نے نمائندہ پی پی آئی کو اس کا اسلحہ کسی اور شخص کو حوالے کر دینے کی اجازت دے دی جبکہ وہ اسلحہ اپنے ساتھ لے جانے کا خواہش مند تھا اور یہ کہ اسلحہ سرکاری طور پر ممنوعہ بھی تھا؟۔

۸۔ اگر یہ سب کچھ رضاکارانہ پیشکش کا معاملہ تھا۔ تو سیکورٹی کے انچارج مسٹر نظامی اخبار نویس کو پولیس کے حوالے کیوں کرنا چاہتے تھے؟ قواعد کے مطابق تو صرف ان افراد کو پولیس کے حوالے کیا جاتا ہے جو دانستہ طور پر آنکھ بچا کر اسلحہ ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں

۹۔ ۱۸ اکتوبر کو مسٹر نظامی سے مختلف اخبار نویسوں نے فون پر براہ راست جب ۱۲ اکتوبر کے مذکورہ واقعہ بارے میں معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ۱۲ اکتوبر کو کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں؟

۱۰۔ مسٹر نظامی کو وہ کون سی بات مانع تھی کہ انہوں نے اخبار نویسوں کو ٹالنے کی کوشش کی؟

، کیا انہوں نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔ کہ اخبار نویس کو پولیس کے حوالے نہ کر کے انہوں نے غلطی کی ہے؟

۱۱۔ وہ کون سا اندیشہ تھا کہ اس واقعے کے بعد ۱۲ اکتوبر کو ڈیرہ اسمٰعیل خان جانے والے طیارے میں سیکورٹی گارڈ کی بجائے سیکورٹی سپروائزر کو خاص طور پر بنوں بھجوایا گیا تاکہ وہ بنوں سے جناب بھٹو کے ساتھ واپس آئے؟ اور جو واقعی سفر کے دوران جناب بھٹو کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا؟

۱۲۔ پیاسی کے کسی کارکن کی کیا نتی اہمیت ہے کہ وہ سیکورٹی انچارج سے اپنی بات منوا سکے اور سیکورٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کروا سکے؟ جبکہ اخبار نویسوں کی سفارش پر مسٹر نظامی سیکورٹی کے قواعد کو نظر انداز کرنے پر راضی نہ ہوئے تھے؟

مندرجہ ذیل سوالات اور پی پی آئی کے سیاسی انداز نظر کی روشنی میں ۱۲ اکتوبر کے مذکورہ واقعہ کے بارے میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کسی طرح بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ خدا کرے یہ سب کچھ جھوٹ ہو، یہ سب کچھ غلط ہو لیکن جہاں تک واقعات اور واقعات سے اخذ ہونے والے نتائج کا تعلق ہے۔ یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب کچھ محض پی پی آئی کے نمائندے کی بھول چوک کا نتیجہ تھا۔

ملتان، صادق آباد اور سانگھڑ میں جو واقعات ہوئے تھے ان کی سنگینی کا کسی کو بھی پہلے سے علم نہ تھا سوائے ان افراد کے جو ان واقعات میں ملوث تھے۔ اسی طرح کراچی ایرپورٹ پر فیروز عبداللہ پونا والا نامی ڈرائیور نے جو کچھ کیا تھا وہ بھی پہلے سے کسی کے علم میں نہ تھا اس حادثے سے پہلے کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک عام ڈرائیور اتنا ہولناک قدم اٹھا سکتا ہے اگر خدانخواستہ پی پی آئی کا نمائندہ بھی کچھ کر گزرتا تو بہت سے لوگوں کو یقین نہ آتا کہ ایک اخبار نویس یہ بھی کر سکتا ہے مگر لوگ اس کے کچھ کر سکنے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے

پاکستان اور پاکستان کے عوام پچھلے چند سالوں سے جن آزمائشوں سے گذر رہے ہیں اور اب تک انہوں نے اپنی قربانیوں کی جو کھیتی کاٹی ہے۔ اس کے حاصل پر غور کرنے کے بعد مستقبل کے بارے میں کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ صرف ذوالفقار علی بھٹو ہی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ہر عہد اپنی تاریخ خود مرتب کرتا ہے اور اپنے لئے خود ہی قیادت پیدا کرتا ہے مگر اس عبوری دور میں جب کہ تمام طاغوتی طاقتیں طبقاتی طور پر بدلتے ہوئے حالات کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں، جب کہ اندرونی اور بیرونی طور پر پاکستان کو یرغمال بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں جبکہ اس ملک کا محنت کش طبقہ، مزدور اور کسان اپنے مکمل شعور بلوغت کے دور میں داخل نہیں ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا دم غنیمت ہے۔ اس بدنصیب ملک کے عوام کو ان کی قیادت میں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

پاکستان کے عوام خصوصاً ترقی پسند عوام، استحصال دشمن عوام، نجات کے طالب عوام کی تمامتر امیدیں اس فرد واحد پر لگی ہوئی ہیں، اگر موجودہ حالات میں پاکستان کی سیاست کے افق سے ذوالفقار علی بھٹو کو ہٹا کر ملک کا نقشہ دیکھا جائے تو مسند سیاست پر بندروں، بھیڑیوں اور لومڑیوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

خدا کرے حکومت ۱۲ اکتوبر کے مذکورہ واقعہ کے بارے میں تسلی بخش چھان بین کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور وہ شکوک رفع ہو جائیں جو اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کو اگر وہ مناسب سمجھے تو پی پی آئی کے اندرون ملک اور بیرون ملک رشتوں ناطوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اس کے ظاہری اور باطنی کردار کا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ کہ کہیں خبر رساں ایجنسی کے پس پردہ کوئی اور کاروبار تو نہیں چل رہا۔ عبداللہ پونا والا بھی تو ایک ڈرائیور ہی تھا۔ مگر نقاب کشائی کے بعد وہ صرف عبداللہ پونا والا نہ تھا۔ ایک مکتب فکر تھا۔

پاکستان کے سفارتخانے

پاکستانیوں سے

کیا سلوک کرتے ہیں؟

حالیہ بحران کے دوران بیرون ممالک پاکستانی سفارت خانوں اور ان میں کام کرنے والے عملہ کے کارہائے نمایاں کی جو شاندار رپورٹیں موصول ہوتی ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ پوری قوم یہ بات جان چکی ہے کہ پاکستانی سفارت خانوں سے تعلق رکھنے والے بیشتر افراد خصوصاً اعلیٰ سفارتی نمائندے باہر رہ کر ملک اور قوم سے زیادہ اپنی "خدمت" انجام دیتے رہے ہیں۔

برطانیہ کے ایک اخبار میں پاکستانی ہائی کمیشن کے بارے میں ایک واقعہ شائع ہوا ہے۔ جس سے اس کی شاندار کارکردگی کا پتہ چلتا ہے۔ سید سلطان علی شاہ نامی ایک پاکستانی باشندے نے پاکستانی ہائی کمیشن لندن کے شعبہ پاسپورٹ میں اپنا پاسپورٹ تجدید کرانے کے لئے بھیجا۔ دو ہفتے گذرنے کے بعد جب کوئی جواب موصول نہ ہوا تو انہوں نے فون پر رابطہ قائم کیا۔ دوسری جانب سے ایک پاکستانی آواز سنائی دی۔

موصوف نے فوراً اسلام علیکم کہا۔

جواب ملا۔ "وہاٹ"۔

وہ حضرت فوراً سمجھ گئے کہ اگر دوسری بار سلام کیا تو شاید فون فوراً بند کر دیا جاتے۔ اس لئے انہوں نے فوراً سلیس اُردو میں اپنا مدعا بیان کیا۔

ہائی کمیشن سے جواب ملا۔

"اُردو نہیں سمجھتے۔ انگریزی میں اپنا مطلب بیان کرو"

چنانچہ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوتے انہوں نے انگریزی میں اپنا مدعا بیان کیا۔ جواب میں کہا گیا، "آپ نے غلط جگہ رابطہ قائم کیا ہے۔ تجدید کا کام دوسرے شعبہ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ وہاں فون کریں"۔

اس نئی ہدایت کے مطابق پاسپورٹ تجدید کروانے والے نے دوسرے شعبہ میں ٹیلی فون کیا۔ کچھ دیر گھنٹی بجتی رہی، پھر کسی صاحب نے ریسیور اٹھایا۔ ان صاحب نے اس ڈر سے کہ اگر اردو میں معلومات حاصل کیں تو ٹیلیفون بند کر دیا جائے گا۔ فوراً انگریزی میں اپنا مدعا بیان کر دیا۔

جواب میں کہا گیا۔ "تین بجے ٹیلیفون کیجئے"۔

انہوں نے ٹھیک تین بجے ٹیلی فون کیا۔ اور انگریزی میں اپنا نام اور مدعا بیان کیا۔

جواب میں کہا گیا۔ "کیا آپ اپنی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے؟"

موصوف نے جل کر کہا۔ "جناب میں اپنی زبان میں تو بات کر سکتا ہوں۔ مگر خدارا یہ تو بتا دیجئے ہمارا یہ سفارت خانہ کون سی زبان سمجھتا ہے۔ تاکہ اس زبان میں بات چیت کی جاتے۔ اور زبان کے اس تنازعہ

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں



پاکستان کے سرمایہ دار معاشرے پر "الفتح" کا پہلا حملہ

سرورق کی کہانی

قوم لڑتی رہے، اُن کے شراب کے دَور چلتے رہیں

اکثر ہمارے قارئین نے مطالبہ کیا ہے کہ جہاں ہم دوسرے ملکوں کے سرمایہ دار معاشرے کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ وہاں اپنے ملک کے سرمایہ دار معاشرے کی پوشیدہ کہانیاں بھی سامنے لائیں۔ یہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست کریں گے۔ کہ وہ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے۔ ان کے پاس اگر ایسے سربستہ راز ہوں تو ضرور مطلع کریں (ادارہ)

سرحدوں پر دشمن



سرمایہ دار محوِ رقص

عبدالحمید چھاپرا

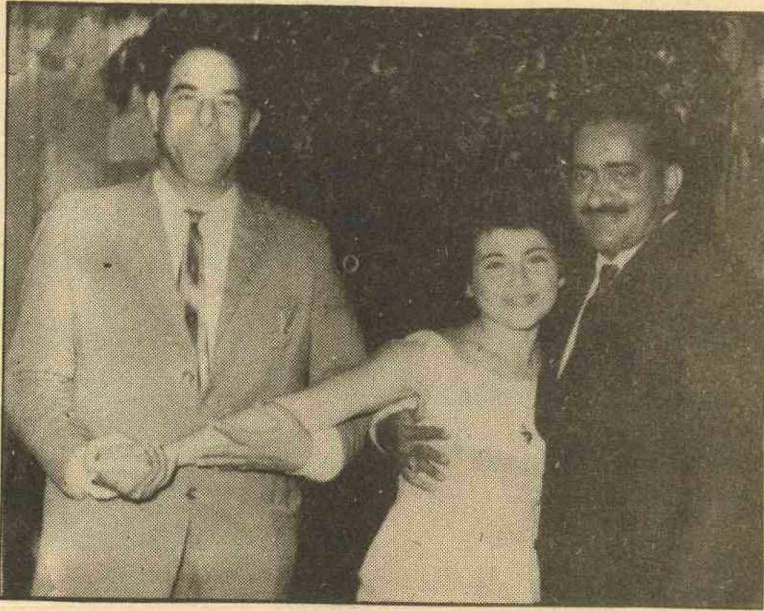


ایک سرمایہ دار۔ ایک سرمایہ دار خاتون کے ساتھ محوِ رقص

ع اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے

قوم کا غم انہیں کھائے جا رہا ہے۔ ملکی معیشت مفلوج ہے ... بیس سال سے حکومت نے مختلف صنعتوں کو ان کے ... ٹکسال بنانے کے لئے "تحفظ" کی جو "چھتری" دے رکھی

ملکی معیشت مفلوج ہے
مگر سرمایہ داروں کی
تجوریاں بھاری ہیں



مشہور تاجر سرفراز خان، ممتاز سرجن مسٹر رندھاوا۔ ایک غیر ملکی خاتون "سینڈوچ" بن گئی

ہے اس میں غریب مزدوروں کی آہوں کی وجہ سے ہزاروں سوراخ ہو چکے ہیں تاجروں کی عالمی برادری میں نمایاں مقام رکھنے کی وجہ سے انہیں اپنی اور اپنے لواحقین کی عاقبت کی فکر نہیں۔

انہی نودولتیے تاجروں اور صنعت کاروں کی وجہ سے کراچی کے تقریباً ایک درجن سے زائد نائٹ کلبوں ٹرینیٹیا ہاؤس سیلون او سیلون۔ لی گورے۔ اوالیس لیڈو۔ روماشبانہ کباب۔ بینا الا اور مڈوے ہاؤس اور سوشل کلبوں میں کراچی جمخانہ بوٹ کلب اور کراچی کلب کی رونق قائم ہے اور کیوں نہ ہو لاکھوں روپے کی بدیسی شراب کا استعمال اور ملکی اور غیر ملکی فن کاروں کی سرپرستی کون کرے گا۔

ان کی بلا سے چاہے تجارت نے مشرقی و مغربی پاکستان کی سرحدوں پر ۲۲ ڈویژن سے زائد فوجیں لگا رکھی ہوں۔ چاہے دن رات ایک کر کے ان کے لئے زر مبادلہ کمانے والے مزدور ملوں کی تالہ بندی کی وجہ سے فاقہ کشی میں مبتلا ہوں۔

سرورق کی تصویر میں ملک کے ایک ممتاز صنعتکار ایک دوسرے چوٹی کے صنعت کار کی صاحبزادی کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ایک "فرنگی" رقص میں محو ہیں۔ ایک دوسری تصویر میں یہی صنعت کار جو کئی سال تک ایک بہت بڑے نیم سرکاری بنک کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں اپنی ایک دوست کے ساتھ ناچ رہے ہیں۔

تیسری تصویر میں چار ممتاز صنعت کار ایک دعوت میں مشروبات کے ذریعے اپنا دل بہلا رہے ہیں۔ چوتھی تصویر میں ایک مشہور سماجی کارکن ایک اور مشہور زمانہ معالج ایک بیرونی سفارت خانہ کے افسر کی زوجہ کا قرب حاصل کرنے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

اولذکر صنعت کار قیام پاکستان سے قبل رنگون برما۔ میں چھوٹا موٹا کاروبار کرتے تھے بعض تاجروں کا کہنا ہے کہ مختلف اشیاء کی دلالی کیا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جن لوگوں کی قسمت جاگی ان میں یہ حضرت بھی شامل ہیں۔ بمبئی سے تعلق رکھنے والے پانچ تاجر بھائیوں نے ٹاور کے قریب پرانی طرز کا ایک آئل مل خریدا۔ موصوف اس فیکٹری میں شریک کار ہو گئے اور پھر اپنی تجارتی ہوشیاری کے ذریعہ

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں



پاکستان کے سرمایہ دار معاشرے کے چار اہم صنعت کار لنچ سے پہلے مشروب وقت یعنی "جن ٹانک" سے لطف اندوز ہو رہے ہیں

ایم مسعود صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ پہلے ہاری رپورٹ والے تھے۔ لوگ انہیں سی۔ ایس۔ پی افسر کی حیثیت سے کم اور ہاری رپورٹ کی وجہ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جماعت اسلامی نے انتخابات کے زمانے اور پھر بعد میں ان کے خلاف مہم چلائی۔ اس کا مقصد کیا تھا۔ وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ جماعت اسلامی ہر اس شخص کی دشمن ہے۔ جو مزدوروں اور کسانوں کے دوست ہیں۔ ایم مسعود کا شمار چونکہ عوام دوستوں میں ہوتا ہے لہٰذا وہ معتوب ہوئے۔

ذیل کا مضمون مسعود صاحب نے بہت پہلے لکھا تھا۔ یہ پاکستان ٹائمز میں شائع ہو چکا ہے۔ (ادارہ)

پاکستان کا برطانیہ پر قبضہ

ایم مسعود

ڈی۔ او۔ ایجس، وائی، زیڈ/۱۲۳۴۵/بی سی
مورخہ ۱۴ اگست سنہ ۱۹۸۰ء

تاج پاکستان
سیکرٹریٹ۔ قائد آباد

محترم اے کے

حکومت پاکستان کا دفتر برائے نو آبادیات آپ کو ضلع لنکا شائر (انگلستان) کا ڈپٹی کمشنر تعینات کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے۔

آپ کو ۲۲ سو روپے ماہانہ تنخواہ کے علاوہ پاکستان نو آبادیاتی سروس رولز کے تحت مروجہ الاؤنس دیئے جائیں گے۔ اور چار سو روپے ماہانہ سمندر پار کی تنخواہ دی جائے گی۔ آپ کو ایک ماہ کے اندر اندر یہ ذمہ داری سنبھالنی ہو گی۔ تقرری کا اعلان آج کر دیا جائے گا۔

آپ کا مخلص

بی۔ اے۔ شیخ

سیکرٹری برائے نو آبادیات حکومت پاکستان

نوٹ:۔ اس خط کے ساتھ "قوانین تحفظ برطانیہ" اور "برطانیہ کے باشندوں سے برتاؤ" نامی ایک کتابچہ بھیج رہا ہوں۔ جو آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔

بی اے۔ شیخ

میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اگلے ہی دن دفتر برائے نو آبادیات گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے میں برطانیہ روانہ ہو جاؤں کیونکہ وہاں پر شر پسندوں اور تخریب کاروں نے پاکستان کے خلاف زبردست تخریبی کارروائیاں شروع کر دی ہیں اور بعض باغی اور غدار گروہوں نے برطانیہ میں مقیم پاکستانی فوج کے خلاف گوریلا جنگ شروع کر دی ہے، ان شر پسندوں اور باغیوں کی کارروائیوں کا مرکز لنکا شائر ہے حکومت پاکستان کو اس مسئلہ پر بہت تشویش ہے اور وہ اس علاقے میں امن و امان بحال کرنے کے لئے ۱۲ تربیت یافتہ اور تجربہ کار افراد کا ایک وفد بھیج رہی ہے۔ جس میں میں بھی شامل ہوں۔

سیکرٹری برائے نو آبادیات نے جو سول سروس آف پاکستان کا ایک تجربہ کار فرد تھا، مجھے برطانوی باشندوں کی عادات اور رسم و رواج کے بارے میں بتایا مجھے ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا ہماری قوم ایک عظیم اور تاریخی تہذیبی اور ثقافتی ورثے کی مالک ہے۔ ہماری عمدہ روایات اور تمدن دنیا کی قدیم ترین اور شاندار روایات اور ثقافت میں شمار ہوتی ہیں۔ برطانوی باشندے پسماندہ اور غیر مہذب ہیں صدیوں کے استحصال اور خون خرابہ کے بعد جو جنگ پسندوں کی طرف سے ہوا تھا وہ اپنی صلاحیتیں اور خود اعتمادی کھو چکے ہیں ہمیں برطانوی باشندوں کو زندگی کی نئی اور اعلیٰ اقدار سکھانی ہیں، انہیں مہذب بنانا ہے اور ان کے معیار زندگی کو بلند کرنا ہے آپ کو بحیثیت ڈپٹی کمشنر کہ وہ آپ کی اور آپ کے ملک کی دل و جان سے خدمت کریں۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ آپ برطانوی باشندوں کو اپنے ملک، اپنی تہذیب و ثقافت، لباس زبان اور معیار زندگی سے متاثر ہوں تاکہ وہ پاکستانی زبان اور معیار زندگی سے متاثر ہوں تاکہ وہ پاکستان سے وفادار رہیں۔" میں نے بغور ان ہدایات کو سنا اور کہا "جناب والا! میں اپنے فرائض بخوبی انجام دوں گا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نئے مفتوحہ ملک میں مجھے کیا کرنا ہو گا۔"

پاکستان نے برطانیہ پر کس طرح قبضہ کیا؟ جنگ عظیم سوم کے بعد پاکستان نے برطانیہ پر اپنا راج مسلط کیا۔ جنگ عظیم سوم ۲۵ سال قبل ہوئی تھی۔ اس میں مغربی اقوام کو عبرت ناک شکست اٹھانی

جھنگ کا ایک حجام اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی پاس اساتذہ کا مشیر بن گیا

پڑی اس ہولناک اور تباہ کن جنگ کا آغاز امریکہ اور مغربی ممالک نے کیا اس جنگ میں امریکہ اور مغربی ممالک ایک فریق تھے ۔ اور دوسرا فریق روس اور چین تھے، جاپان، بھارت، پاکستان انڈونیشیا مشرق وسطیٰ کے ممالک اور دوسری ایشیائی طاقتیں غیر جانبدار رہیں ۔ جنگ کی ابتداء ہی میں امریکہ کو کوریا میں عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ اور جلد ہی مغربی ممالک کو کوریا میں عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ اور جلد ہی مغربی ممالک پر روسی افواج کا قبضہ ہو گیا ۔ مشرقی بلاک کی فتح سے غیر جانبدار ممالک کے طرز عمل میں تبدیلی ہوئی کوریا میں امریکہ کی شکست کے فوراً بعد جاپان مشرقی بلاک میں شامل ہو گیا ۔ اور جیسے ہی روسی فوجوں نے مغربی یورپ میں کامیابی حاصل کرنی شروع کیں بھارت اور انڈونیشیا نے بھی مشرقی بلاک میں شمولیت اختیار کر لی ۔ پاکستان ابھی حالات کا جائزہ لے رہا تھا کہ عوام نے مغربی ممالک کے خلاف شدید تحریک شروع کر دی ۔ چنانچہ پاکستان بھی مشرقی بلاک میں شامل ہو گیا ۔ جب روسی فوجوں نے برطانیہ کو فتح کیا، تو مشرق وسطیٰ کے ممالک نے بھی مشرقی بلاک میں شمولیت کا اعلان کر دیا ۔ کیونکہ اس عرصے میں مشرق وسطیٰ کے عوام نے پرانی رجعت پسند حکومتوں کا تختہ الٹ کر عوامی اقتدار قائم کر دیا تھا ۔

اب تمام مشرقی بلاک ۔ امریکہ کے خلاف صف آرا ہو گیا ۔ جنگ شدت اختیار کر گئی مغربی یورپ میں جگہ جگہ گھمسان کا رن پڑا ، امریکہ نے ایٹمی ہتھیار استعمال کئے ۔ جس سے انسانی جانوں اور جائداد کو بڑا نقصان ہوا ۔ مگر مشرقی ممالک کے عوام اپنی بہادری اور خود اعتمادی کی بدولت فاتح و کامران ہوئے کیونکہ وہ دوبارہ مغربی ممالک کے استحصال کا شکار نہیں ہونا چاہتے تھے ، مشرقی عوام نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ۔ خون کے دریا بہا دیئے ۔ اور آخر کار مشرقی ممالک نے امریکی جنگ بازوں کو شکست دے دی ۔

تمام مغربی ممالک کی شکست کے بعد مشرقی اتحادیوں کی کونسل نے مقبوضہ علاقوں میں زندگی معمول پہ لانے اور امن کی خاطر مغربی ممالک اور ان کی نوآبادیات کی تقسیم کا فیصلہ کیا چین نے امریکہ پر قبضہ جمایا ، روس مغربی جرمنی ڈنمارک ، ناروے سویڈن بلجیم ، اور ہالینڈ پر قابض ہو گیا ۔ بھارت نے فرانس ، اسپین اور سوئٹزرلینڈ پر انڈونیشیا نے اٹلی اور یونان پر قبضہ کر لیا ۔ پاکستان کے حصے میں برطانیہ اور آئرلینڈ آیا ۔ مغربی طاقتوں کی نوآبادیات کینیڈا جنوبی امریکہ افریقہ اور آسٹریلیا کو مکمل آزادی دے دی گئی ۔

میں انگلستان جانے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا ۔ سب سے زیادہ پریشانی کپڑوں کے متعلق تھی مجھے بتایا گیا تھا کہ برطانیہ میں مجھے اچھے پاکستانی لباس پہننے والے درزی نہیں ملیں گے ۔ چند برطانوی درزیوں نے پاکستانی کپڑے سینے شروع کئے ہیں مگر وہ معیاری نہیں ہوتے چنانچہ میں نے بھاری تعداد میں کپڑے تیار کروائے ۔ جن میں صافے، کرتے، اونی شلواریں، روئی سے بھری ہوئی خوبصورت اور نفیس بنڈیاں، کشمیر کی شیروانیاں، اونی واسکٹ اور شام کے لئے عمدہ قسم کی تہمد خریدے یہ تمام کپڑے پاکستان کے بنے ہوئے تھے، پاکستان نے بھاری تعداد میں سوتی پارچہ جات بنانے شروع کر دیئے تھے ۔ جو نوآبادیات کو برآمد کیا جاتا تھا ۔ اور اس کے بدلے میں وہاں سے خام مال منگوایا جاتا تھا ۔

ضروری تیاریوں کے بعد میں "سٹی آف ملتان" نامی ایک پاکستانی بحری جہاز سے برطانیہ کے لئے روانہ ہو گیا ۔ دو ہفتے کے بعد لیورپول پہنچا ۔ وہاں سے ایک ریلوے گاڑی مجھے آدھے گھنٹے میں لنکا شائر کے سب سے بڑے شہر مانچسٹر لے آئی جیسے ہی گاڑی رکی برطانوی باشندوں کا ایک بڑا ہجوم میرے ڈبے کی طرف دوڑا ۔ ان میں معززین شہر، اعلیٰ حکام، میرے دفتر کے ملازم اور عام آدمی شامل تھے، یہ سب میرا استقبال کرنے آئے تھے اکثر معززین اور اعلیٰ حکام پاکستانی لباس کرتے بنڈیاں اور صافے زیب تن کئے ہوئے تھے ۔ بعض اچکن جناح کیپ میں تھے ، البتہ نچلے طبقے کے ملازمین اور ادنیٰ افسر اپنے آبائی لباس تپلون، کوٹ اور ٹائی لگائے ہوئے تھے یہ لوگ دور ایک کونے میں کھڑے تھے جیسے وہ اپنے آپ کو آبائی لباس میں دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہوں" اور جب وہ مجھے مبارکباد دینے میرے قریب آئے تو ان کی حرکات و سکنات سے احساس کمتری صاف جھلک رہا تھا، ان میں سے اکثر بہت ہی مودبانہ انداز میں جھک کر ملے ۔

معززین شہر اور اعلیٰ حکام جو پاکستانی لباس میں ملبوس تھے، پلیٹ فارم پر اس طرح اکڑ کر چل رہے تھے گویا اپنے کپڑوں کی نمائش کر رہے ہوں ان کے صافے اور پگڑیاں نہایت بے ڈھنگی اور بھونڈی تھیں" انہوں نے بھی مجھے مبارکباد دیتے ہوئے انکساری کا اظہار کیا اور مصافحہ کرتے ہوئے کہا" "اسلام علیکم" ان کی اردو بول چال میں انگریزی لہجہ

کانٹے اور چھری سے کھانے والے جاہل اور نچلے طبقے کے شہری ٹھہرے

صاف جھلک رہا تھا، وہ "سلام علیکم" کو "سلم علیکم" کہتے تھے۔ ابتداً میں مجھے سمجھنے میں خاصی دشواری پیش آئی اور آہستہ آہستہ میں اس کا عادی ہوگیا'

تعارف کے بعد مسٹر اللہ بخش قائم مقام ڈپٹی کمشنر اور ایک معزز شہری سر جان گلبرٹ نے ایک زینے کی طرف میری رہنمائی کی، اس پر سبز رنگ کا نفیس کپڑا بچھا ہوا تھا، میں معززین شہر کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آیا۔ جہاں ایک رولس رائس کار کھڑی تھی جس پر پاکستانی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اسٹیشن کے باہر سڑک کے دونوں کناروں پر عوام کھڑے تھے جونہی میں کار میں بیٹھا۔ ایک برطانوی بینڈ نے مشہور پاکستانی دھن 'اے میرے چمن میں واری جاؤں' بجانی شروع کردی اور عوام نے زندہ باد کے نعرے لگائے۔

مسٹر خدا بخش مجھے ڈپٹی کمشنر کی سرکاری قیام پر لے گئے۔ اور مجھے نہایت عمدہ پاکستانی ظہرانہ دیا۔

"یہ نہایت عمدہ کھانا ہے کیا تم اپنے ساتھ کوئی پاکستانی باورچی لائے ہو؟" میں نے مسٹر خدا بخش سے پوچھا

"نہیں جناب والا" مسٹر خدا بخش نے جواب دیا۔

"میرا باورچی انگریز ہے' وہ پاکستانی کھانے بہت عمدگی سے پکاتے ہیں کیونکہ ہم ان لوگوں کو دوسرے خانساماؤں سے زیادہ تنخواہ دیتے ہیں جو صرف انگریزی کھانے پکانا جانتے ہیں۔ انگریز باورچی نہایت وفادار اور فرمانبردار ہوتے ہیں"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی۔ میں تو بہت پریشان تھا کہ برطانیہ میں پاکستانی کھانے نہ کھا سکوں گا"۔ میں نے کہا۔

خدا بخش نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ "فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں' یہاں پر پاکستانی چیز مل جاتی ہے درحقیقت برطانوی باشندے آہستہ آہستہ پاکستانی طرز زندگی اختیار کرتے جارہے ہیں شاہی خاندان کے بعض افراد اپنے رکھ رکھاؤ سے پاکستانیوں سے زیادہ پاکستانی نظر آتے ہیں"

اس رات مر جان گلبرٹ نے میرے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس دعوت میں شہر کے تمام معززین موجود تھے، سر جان گلبرٹ کے کمرہ طعام میں ایک ایرانی قالین بچھا ہوا تھا، جس پر ایک دسترخوان لگایا گیا

تمام کھانے پاکستانی تھے، پلاؤ قورمہ مرغ مسلم آلو گوشت زردہ فرنی اور کوفتہ" سب چیزیں نہایت عمدگی سے تیار کی گئی تھیں۔ ہم جوتے اتار کر دسترخوان کی دونوں جانب بیٹھ گئے۔ ایک انگریز بیرا جو شاہ ہنری ہشتم کے روائتی چمک دار لباس میں تھا۔ سلفچی صابن اور پانی لے کر سب کے ہاتھ دھلاتا چلا گیا۔

"کیا آپ لوگ چھری، کانٹے استعمال نہیں کرتے؟" میں نے لیڈی گلبرٹ سے پوچھا۔

اس سوال پر لیڈی گلبرٹ ذرا سی پریشانی ہوگئیں چند ساعتوں کے بعد یوں گویا ہوئیں "ہم چھری کانٹے استعمال نہیں کرتے، تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقہ ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔ کیونکہ یہی فطری اور قدرتی طریقہ ہے البتہ نچلا طبقہ اور جاہل لوگ اب بھی چھری کانٹے استعمال کرتے ہیں"۔ بیگم گلبرٹ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گویا چھری اور کانٹے کا استعمال اس کی حیثیت کو کم کردے گا۔

کھانا شروع ہوا۔ میں نے روٹی کا نوالہ اپنے دائیں

پاکستان میں تربیت پانے والوں نے لندن میں جوتوں اور پراندوں کے تحفے بھیجے

ہاتھ میں لیا۔ سب نے میری نقل کی مگر سر جان گلبرٹ کی چھوٹی لڑکی بائیں ہاتھ سے کھا رہی تھی، اس کی ماں نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔ اور پھر آہستہ سے لڑکا۔ پھر لڑکی دائیں ہاتھ سے کھانے لگی۔ میں نے آلو گوشت کھانا شروع کیا۔ تو سب آلو گوشت کھانے لگے۔ ان کی تمام انگلیاں اور انگوٹھے سالن میں بھر گئے۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوئے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ میری صرف دو انگلیاں اس میں بھری تھیں۔ انہوں نے نظر بچا کر رومال سے اپنے ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تو میں نے لیڈی گلبرٹ سے کہا' لیڈی گلبرٹ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے لئے صرف مشق درکار ہے۔ کچھ عرصے میں آپ خود سیکھ جائیں گی"۔

میں نے کھانے کی تعریف کی۔ تو سر جان گلبرٹ خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔ اور بولا "شکریہ حضور والا! میری بڑی لڑکی نے حال ہی میں پاکستانی کھانے پکانے سیکھے ہیں اور وہ اس وقت بھی باورچی خانے میں مصروف ہے"۔

"میں آپ کی صاحبزادی سے ملنا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"وہ آپ سے مل کر یقیناً خوش ہوگی، کھانے کے بعد اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں گی"۔ لیڈی گلبرٹ نے جواب دیا۔

یہ ایک بہت بڑی دعوت تھی۔ اس عشائیہ میں شہر کے تمام معززین موجود تھے۔ ان میں سے اکثر نے اردو میں مجھ سے گفتگو کی۔ جو اردو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ٹوٹی پھوٹی اردو بولی۔ ان کی انگریزی لہجہ یاں اردو بول چال نہایت ہی مضحکہ خیز تھی۔ یہ لوگ پاکستانیوں سے اردو بولتے تھے۔ اور آپس اپنی ہی مادری زبان میں باتیں کرتے تھے۔

دوسری صبح میرے سیکرٹری نے بتایا کہ ایک مقامی ماڈل ہائی اسکول نے میرے اعزاز میں "اسپورٹس ڈے" منایا ہے اور اسکول کی انتظامیہ نے مجھے انعامات تقسیم کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں کھیل شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل اسکول پہنچ گیا۔ جہاں پر ہیڈ ماسٹر اور معززین شہر نے میرا استقبال کیا۔ وہ مجھے مختلف کلاسوں میں معائنے کے لئے لے گئے "ہر کلاس میں جلی الفاظ میں "خوش آمدید" لکھا ہوا تھا، جونہی میں کلاس روم میں داخل ہوتا، تمام لڑکے مودبانہ انداز میں کھڑے ہوکر "اسلام علیکم" کہتے اور معائنہ کے بعد باہر نکلتا تو کورس کے انداز میں کہتے "قائم رہے ہمیشہ فرمانروا ہمارا"

ہیڈ ماسٹر مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہ اسکول کا بہترین کمرہ تھا' مجھے بتایا گیا کہ یہ اردو کا کلاس روم ہے۔ یہاں پر ہر درجے کے طلبا اردو پڑھنے آتے

جھومر، بھنگڑہ، خٹک ناچ اور دھمال مقبول ترین رقص بن گئے

ہیں۔ اردو لازمی مضمون ہے۔ اس لئے روزانہ کلاس ہوتی ہے۔ اور طلبہ اُردو پڑھنے میں دشواری محسوس نہیں کرتے، جونہی میں کمرے میں داخل ہوا۔ ایک داڑھی والے پاکستانی استاد نے میرا استقبال کیا۔ وہ نہایت ہی بھدے لباس میں تھا، میں نے پوچھا "آپ یہاں کب آئے" "گذشتہ سال" اس نے جواب دیا۔

میں نے دریافت کیا "آپ یہاں کس لئے آئے ہیں"

"مجھے اردو پڑھانے کے لئے بلایا گیا ہے جو میں بطریقِ احسن پڑھا رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا آپ تربیت یافتہ استاد ہیں؟" میں نے مزید ایک سوال کیا۔

"جی جناب"

آپ پاکستان میں کہاں پڑھاتے تھے۔ اور پاکستان کے کس علاقے سے تعلق ہے۔" میں نے پوچھا۔

میں ضلع جھنگ کا رہنے والا ہوں۔ وہاں میں پڑھاتا نہیں تھا۔" اس نے یہ کہتے ہُوئے اپنی نظریں نیچی کرلیں۔

"کیا آپ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو شعبہ تعلیم سے منسلک ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

اس نے جواباً کہا "جناب والا! میں ایک حجام گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں مگر میں برطانیہ پڑھانے آیا ہُوں۔"

"اچھا آپ حقیقتاً حجام ہیں تو پھر آپ کس طرح. آپ .... ذرا اس طرف آؤ" میں اُسے ایک کونے میں لے گیا۔ اور آہستہ سے پُوچھا "ایسی صورت میں آپ بچوں کو کس طرح تعلیم دیتے ہیں؟"

اس نے کہا "جناب والا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ یہاں کے باشندے میری کارکردگی سے مطمئن ہیں یہاں کے تعلیم یافتہ لڑکے جن کے پاس اردو ادب کی ڈگریاں، ایم۔ اے پی ایچ ڈی ہیں۔ میرے پاس آتے ہیں اور ادب پر گفتگو کرتے ہیں، وہ میرے ہونٹوں کی جنبش کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ اور گھر جاکر آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر مشق کرتے ہیں۔ یہاں لوگ مجھے اردو کا عالم سمجھتے ہیں ——"

"کیا آپ اپنے اس پیشے سے خوش ہیں؟ کتنی تنخواہ ملتی ہے؟"

"آٹھ سو روپے" اس نے جواب دیا۔

"انگریزی کے استاد کو کیا ملتا ہے؟"

"انھیں بمشکل ۸۰ یا سو روپے ماہانہ ملتے ہیں۔"

میں اسکول کے معائنہ سے فارغ ہوکر اپنے بنگلے پر پہنچا۔ تو میرے سیکرٹری مسٹر ویول نے بتایا کہ ضلع کے چند معززاور سر آوردہ لوگ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اُنھیں اگلے ہفتے کا وقت دے دو۔ سیکرٹری نے کہا حضور والا اگر مناسب خیال کریں تو اُن میں سے چند لوگوں کو شرف ملاقات بخش دیں۔ وہ اسے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے۔

"اچھا بلاؤ! مگر وہ کون ہیں؟" میں نے پوچھا

"مسٹر ول نے کہا "حضور والا! ان میں نواب الفرڈ جان اروین، خانِ خاناں جعفری ڈیمونٹمورنسی چوہدری لافورڈ چیپس اور سر جان گلبرٹ شامل ہیں۔ یہ حضرات خطاب یافتہ ہیں۔ اور حکومتِ پاکستان کے نہایت وفادار ہیں۔"

"پہلے نواب کو بھیجو" میں نے سیکرٹری کو ہدایت کی۔ چند منٹوں کے بعد ایک چھوٹے قد کا، ادھیڑ عمر

ایک برطانوی بینڈ نے "اے سجن میں واری جاؤں" کی دُھن پر استقبال کیا

مُوٹا شخص کمرے میں داخل ہُوا۔ اُس کی مونچھیں بڑی اور داڑھی چھوٹی سی تھی۔ اُس نے جھک کر مجھے سلام کیا اور دبلے قدموں سے میری میز کے قریب آیا۔ نہایت عاجزی اور انکساری سے مصافحہ کیا۔ اور اسلام علیکم کہتے ہُوئے تین مرتبہ ہاتھوں کو ہلایا۔

"نواب آروین آپ کے مزاج کیسے ہیں؟" میں نے پُوچھا۔ "حضور والا! آپ کی نوازشات اور عنایات کی بدولت ٹھیک ہُوں۔ جنابِ والا کے مزاج کیسے ہیں۔ آپ کے اہل و عیال تو خیریت سے ہیں؟" اُس نے دریافت کیا۔

"نواب آروین مجھے اس بات پر خوشی ہے کہ تم ہماری حکومت کے وفادار ہو" میں نے جواباً کہا۔

"شکریہ! جناب والا۔ میں آپ کی حکومت کا وفادار خادم ہوں، میری تمام عزت، توقیر اور جائداد صرف آپ کی حکومت کی عنایت کردہ ہے" نواب آروین نے نہایت عاجزانہ انداز میں کہا۔

"نواب آروین! میں تمہارے خاندان کے بارے میں کچھ جاننا پسند کروں گا۔"

"حضور عالی! میرا اس ضلع کے سرکردہ معززین میں شمار ہوتا ہے۔ حالیہ بغاوت کو دبانے میں میرے خاندان نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ حکومت پاکستان نے ان خدمات کے پیش نظر میرے خاندان کو ۵ ہزار ایکڑ زمین دی۔ جناب والا! میں اپنے ہم وطنوں کے طرز عمل پر شرمندہ ہُوں۔ درحقیقت جان ٹائر، اسمتھ اور ڈارون جیسے تخریب کاروں اور شرپسندوں نے انھیں گمراہ کیا ہے۔ اِن کا رہنما جان ٹائر ہے۔ جو دراصل احتجاج اور پاکستان کے خلاف عوام میں نفرت پھیلا کر ممتاز مقام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ عوام کے قومی جذبات سے کھیل رہا ہے۔ وہ اور اُس کے تمام ساتھی سزائے موت کے قابل ہیں۔ اُن پر رحم بالکل نہ کیا جائے۔ اور سختی سے کچل دیا جائے۔ میرا خاندان اور میرے گاؤں کے لوگ حکومتِ پاکستان کے وفادار ہیں۔ وہ پاکستانیوں کو اپنا آقا سمجھتے ہیں۔ احترام کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی نجی فوج تیار کی۔ اور باغیوں کو گاؤں سے نکال دیا۔" نواب آروین نے نہایت فخر سے اپنا کارنامہ سنایا۔

"شاباش، شاباش" میں نے اُس کی خدمات کا اعتراف کیا۔ اور پوچھا۔ "کیا اِن خدمات کے صلہ میں تمھیں نواب کا خطاب دیا گیا ہے؟"

"جی! جناب والا۔ نواب کا خطاب ملنے کی دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جلالتِ مآب حضرت محمّد خان کی جان بچائی تھی۔ باغیوں نے اچانک اُن کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا تھا۔ تمام محافظ مارے گئے۔ میں مقابلے پر ڈٹا رہا۔ اور اپنی جان خطرے

ڈپٹی کمشنر لنکاشائر کا ۲۲ سو روپے مشاہرہ اور چار سو روپے ماہانہ سمندر پار الاؤنس مقرر ہوا

میں ڈال کر اُن کی جان بچائی۔"

"یہ واقعہ سن کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔ امید ہے کہ تم آئندہ بھی ہمیشہ ہمارے وفادار رہو گے۔"

"یقیناً۔ حضور والا۔ میری عزت، توقیر اور جائداد کا انحصار صرف حکومت سے وفاداری پر ہے۔ ہم حکومتِ پاکستان کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔"

"نواب آر دین! اب تم جا سکتے ہو" اس نے پھر جھک کر سلام کیا اور اُلٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے بعد چوہدری لارڈ چپس آیا۔ اس کی چال بے ڈھنگی سی تھی۔ اُس کے سر پہ ایک خوبصورت صافہ تھا۔ اس کا طرہ کلف سے اکڑا ہوا تھا لیکن یہ طرہ اتنا بڑا تھا کہ بار بار اس کے لئے مشکل کا باعث بن رہا تھا۔

"چوہدری چپس آپ کے مزاج کیسے ہیں؟" میں نے پوچھا

"خدا کا شکر ہے جنابِ والا! آپ کی عنایات ہیں۔ جنابِ والا، آپ کے خاندان اور ہم وطنوں کے مزاج کیسے ہیں؟"

"سب خیریت ہے" میں نے جواب دیا۔ "چوہدری چپس اُن خدمات کے بارے میں بتاؤ جو تم نے ہماری حکومت کے لئے انجام دی ہیں۔"

"جناب والا! ہم نے باغیوں سے نمٹنے کیلئے پاکستانی افواج کی مادی امداد کی۔ اور اپنے آدمی فوج میں بھرتی کئے۔ صرف میرے خاندان ہی کے ۹۵ افراد فوج میں شامل ہوئے۔ جن میں میرے دو بھائی اور ایک بیٹا بھی شامل تھے۔ ہم نے کل تین سو آدمی فوج میں بھرتی کرائے۔ بغاوت کے انتہائی سنگین زمانے میں میرے علاقے میں امن وامان رہا۔ اور میری رپورٹ پر شرپسند، غنڈے اور عوام کو بغاوت پر آمادہ کرنے والے تخریب کار گرفتار کئے گئے۔ بعض نے میرے گاؤں میں پناہ لی۔ میں نے فوج کو اطلاع دی۔ پاکستانی فوج نے انھیں گرفتار کر لیا۔ اُن میں رسوائے زمانہ باغی رابن ہڈ بھی شامل تھا۔ اُن خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان نے مجھے دو ہزار ایکڑ زمین دی۔ اور چوہدری کے خطاب سے نوازا۔"

"چوہدری چپس واقعی تم نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔"

"لیکن جناب" اس نے کہا "مجھے نواب کا خطاب ملنا چاہیئے۔ میری خدمات کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔"

"میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ اور تمہاری خدمات کا صلہ ضرور دیا جائے گا۔"

"جناب والا! میں آپ کا بہت مشکور ہوں۔ میں آپ کا وفادار اور خادم ہوں"۔ اور باہر جانے سے پہلے اُس نے کئی مرتبہ جھک کر سلام کیا۔

میں نے سیکرٹری کو بلوایا اور کہا: "خان خانان اور اور سرجان گلبرٹ سے کہو کہ میں بہت تھک گیا ہوں وہ دوپہر کے بعد مجھے عصرانے پر ملیں۔"

اس دن سہ پہر کو شہر کی بلدیہ کی جانب سے مجھے باغ اقبال میں استقبالیہ دیا گیا۔ باغ میں عمدہ قسم کے مختلف النوع پھول تھے، پانچ بینڈ بڑی پیاری دھن بجا رہے تھے، حاضرین کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ باغ کے دروازے پر سرجان گلبرٹ نے میرا استقبال کیا۔ تعارف کے بعد ہم بیٹھ گئے۔ یکایک چند برطانوی لڑکیاں میری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ ان میں سے دو

حکومتِ پاکستان نے قوانین تحفظ برطانیہ اور باشندوں سے برتاؤ نامی کتابچے شائع کئے

نے اپنے بالوں کو پاکستانی طرز پر آراستہ کیا تھا، انہوں نے پراندے باندھ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک بالکل میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پراندے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اور میں اس سے یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ اس نے یہ پراندہ کہاں سے حاصل کیا۔ اُس نے بتایا کہ اس کا بھائی جو لاہور یونیورسٹی میں اُردو ادب میں ایم اے کرنے گیا تھا۔ اُس کے لئے تین پراندے لایا تھا۔

"لیڈی گلبرٹ! کیا یہ پراندے میں خوبصورت نظر نہیں آتی؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً!" لیڈی گلبرٹ نے جواب دیا "یہ میری بھانجی ہے میری دونوں لڑکیاں بھی پراندوں کی دلدادہ ہیں۔ شہر کے ایک دکاندار نے نہایت ہی محدود تعداد میں ملتان سے پراندے منگوائے تھے۔ جو چند گھنٹوں میں ہی فروخت ہو گئے۔ ہم ایک بھی حاصل نہیں کر سکے۔"

"میں آپ کے لئے چند پراندے منگوا دوں گا" میں نے کہا۔

"شکریہ۔ جناب! آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا لڑکا ملتان یونیورسٹی میں پنجابی ادب میں ایم اے کر رہا ہے۔ میں اُسے لکھ دوں گی وہ بھیج دے گا۔"

میں دوسری میز کی طرف جا رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی نے میرا رستہ روک لیا۔ اور کہا "مداخلت کے لئے معاف کیجئے گا۔ دراصل میں اپنی بہن کے لئے پنجابی جوتی کا ایک جوڑا حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کے پاس تو ایک جوڑی موجود ہے" میں نے کہا

"جی ہاں۔ یہ میرے منگیتر نے مجھے دیا ہے وہ انفنٹری کی تربیت کے لئے لاہور گیا تھا۔ وہیں سے لے کر آیا تھا۔"

"خیر، میں تمہیں ایک پاکستانی فرم کا نام اور پتہ دوں گا۔ کیا یہاں ایسا کوئی تاجر نہیں ہے۔ جو اس قسم کا مال منگواتا ہو؟"

ہاں۔ یہاں پاکستانی جوتے کی ایک دکان ہے جسے میرے چچا مسٹر میکڈونالڈ چلاتے ہیں۔ مگر وہ عام طور پر مردوں کے جوتے منگواتے ہیں۔ خواتین کی جوتیاں تعداد میں تھوڑی اور سستی ہوتی ہیں، اس لئے وہ ایک ہی دن میں فروخت ہو جاتی ہیں۔"

"تمہارے چچا کی دکان کا کیا نام ہے؟" میں نے سوال کیا

"پاکستانی جوتی گھر کے نام سے مقبول ہے" اس نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا منگیتر لاہور سے واپس آچکا ہے۔"

"ہاں، مگر بدقسمتی ہے۔ آج وہ باہر گیا ہوا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میری خواہش تھی کہ آپ اُس سے ملتے، وہ بے حد اسمارٹ، فیشن ایبل اور جدید خیالات کا نوجوان ہے۔"

"تم جیسی اسمارٹ لڑکی کو ایک اسمارٹ نوجوان

مفتوحہ علاقے میں ڈپٹی کمشنر انگریزوں کا مائی باپ کیسے بنا

سے ہی شادی کرنی چاہیئے"۔

"یہ تو بتاؤ کہ تم ماڈرن نوجوان کسے کہتی ہو"؟

ایک ایسا نوجوان آدمی، جو پرانے فیشن کو پسند نہیں کرتا۔ میرا مطلب لباسوں سے ہے وہ دیدہ زیب پاکستانی لباس پہنتا ہے۔ طرّہ دار پگڑی، اچکن اور شلوار اور جس نے پاکستانی تعلیم بھی حاصل کی ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

"کیا تم انگریزی سوٹ پسند نہیں کرتی"؟

"انگریزی سوٹ، میں نفرت کرتی ہوں"! اس نے جواب دیا۔ یہ بہت بدنما نظر آتا ہے۔ نکٹائی کتے کے کالر کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ یا غلاموں کا طوق جسے قدیم زمانے میں غلام پہنتے تھے۔ پتلون میں انتہائی ہیبت ناک صورت کے نظر آتے ہیں۔ میں ان سے نفرت کرتی ہوں، ان کے پہننے سے جسم کا نچلا حصّہ انتہائی بکواس دکھائی دیتا ہے۔ پتلون پہن کر انسان لکڑی کے ٹکڑے کی طرح نظر آنے لگتا ہے لیکن شلوار ایک انتہائی شاندار اور مہذب لباس ہے۔ مجھے بے حد پسند ہے یہ شخصیت میں وقار پیدا کرتا ہے۔ چلتے وقت اس کے رگڑ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ سحر انگیز موسیقی سے کم نہیں ہوتی

وہ پاکستانی لباس کے بارے میں تعریف کئے جا رہی تھی میں نے اسے بتایا کہ سالمبرو کاڈ۔ لوک مجھ سے ملاقات کے لئے آنے والے ہیں۔ میں نے اس لڑکی سے خدا حافظ کہا اور ڈیوک کے ساتھ نیچے چلا گیا۔

ہائی اسٹریٹ سے گذرتی ہوئی ہماری گاڑی گھر کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں ایک تھیٹر نظر آیا۔ جہاں بکنگ گھر کے سامنے ایک بہت بڑا ہجوم قطار کی صورت میں نظر آیا۔

یہاں کون سی فلم چل رہی ہے۔ مسٹر ماؤنٹ بیٹن"

میں نے برطانوی سیشن جج سے پوچھا جو میری گاڑی چلا رہا تھا۔

مشہور کھیل "ہیر رانجھا"۔ اس نے جواب دیا بین الاقوامی شہرت کے مصنف وارث شاہ کا ایک شاہکار، یہ پچھلے دس ہفتوں سے چل رہی ہے۔ مگر ہر شو کی بکنگ ایک ہفتہ قبل ہو چکی ہے

بہت خوب"۔ میں نے کہا" ہمیں بھی دیکھنا چاہیئے۔ کیا آپ نے شیکسپیئر کو پڑھا ہے۔؟ وہ آپ کے ملک کا ایک عظیم ڈرامہ نگار ہے"۔ جی جناب لیکن وہ عامیانہ لکھتا ہے اس کی تخلیقات نچلے طبقے میں مقبول ہیں۔ اس کے کھیل عریاں ہوتے ہیں اور صاف ستھرے ذوق کے لوگ انہیں پسند نہیں کرتے اس کا موازنہ وارث شاہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ خوبصورت زبان میں عقل و دانش کی باتیں کرتا ہے ہمارے یہاں شرفاء کا طبقہ شیکسپیئر" کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اس نے اپنی بات ایک زوردار قہقہہ کے ساتھ ختم کی۔ اور شیکسپیئر، بکواس کے سوا کچھ نہیں۔!

ہم تھیٹر میں داخل ہوئے تو اس کے مالک نے اس کھیل کی ہیروئن کو ہمارے سامنے پیش کرنے کی اجازت مانگی، ۲۱ سال کی ایک نوجوان اور حسین لڑکی۔ اس کے بال سنہرے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک نفیس اور خوبصورت لڑکی تھی۔

"اس کا نام مارگریٹ فلپس ہے" مالک نے کہا ہماری بہترین اداکارہ، اس نے زبردست کام کیا ہے برطانیہ میں کوئی دوسری ایکٹریس اتنی کامیابی کے ساتھ اداکاری نہیں کر سکتی۔ اس میں کام کرنے کے بعد ہی یہ پورے برطانیہ میں مقبول ہو گئی۔ جب کبھی یہ کسی شہر میں جاتی ہے تو سینکڑوں افراد اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں"۔

انگریز نوّابوں اور چوھدریوں نے پاکستان کے لئے عظیم خدمات انجام دیں

"کھیل کب شروع ہو گا"۔ میں نے سوال کیا۔

"دیہاتی رقص کے بعد" اس نے جواب دیا۔

"دیہاتی رقص کب شروع کیا جائے گا۔ اور کیا یہ برطانیہ کا دیہاتی رقص ہو گا۔؟

"نہیں جناب"۔ یہ ایک پنجابی دہقانی جھومر ہے۔ یہ آپ کی بائیں طرف کے فلور پر پیش کیا جائے گا۔ اور شائقین میں بیٹھے ہوئے نوجوان مرد اور عورتیں اس میں شامل ہو جائیں گی ہم ہر شام کو یہ پروگرام پیش کرتے ہیں۔ اس طرح لوگ بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

"کیا یہاں انگریزی رقص کے لئے بال روم نہیں"؟

نہیں۔ جناب، یہ نچلے طبقہ کا گھٹیا رقص ہے صرف غیر مہذب اور بیہودہ لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں

"اس میں خرابی کی کیا بات ہے"۔؟

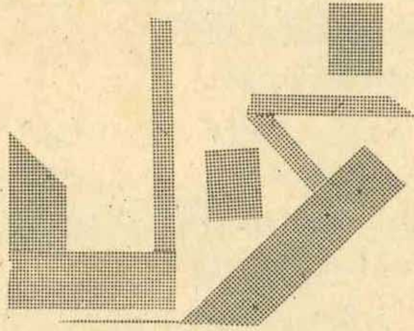
"خرابی"۔ یہ ایک مکمل بیہودگی ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں آمنے سامنے ایک دوسرے کو تھامے ہوئے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ پورا منظر شرافت سے گرا ہوا قابل اعتراض نظر آتا ہے۔ یہ رقص نہیں ہے بلکہ جنس کے اظہار کا ایک عامیانہ طریقہ ہے کوئی بھی شریف مرد یا عورت اس قسم کے رقص میں حصہ لینا پسند نہیں کریں گے۔ ہمیں پنجابی جھومر اور خٹک بے حد پسند ہے ہمارے یہاں کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں عام طور پر جھومر پارٹیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن آج کی رات ہم خٹک رقص سے ابتدا کریں گے اور اس کے بعد جھومر پیش کریں گے۔

بہت اچھا۔ پھر شروع کر دینا چاہیئے۔ اس نے کہا گو ابھی کھیل شروع ہونے میں نصف گھنٹہ باقی ہے" مگر دیکھئے پورا ہال شائقین سے کھچا کھچ بھر چکا ہے یہ آپ کے دم قدم سے ہے۔ اب ہم اطمینان سے کھیل شروع کر سکتے ہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

چند لمحوں کے بعد پورا ہال خٹک رقص اور اس کی میٹھی اور مدھر موسیقی سے گونج اٹھا۔ میں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ جب جھومر شروع ہوا تو میں اٹھ کر فلور پر چلا گیا۔ میں جوں ہی رقص میں شامل ہوا، لوگ جوق در جوق رقص میں شامل ہونے لگے، اور دیکھتے دیکھتے پورا فلور رقص کرنے والوں سے بھر گیا۔

جھومر اپنے شباب پر تھا۔ دو ڈھول اور پانچ شہنایاں مختلف سروں میں بج رہی تھیں اور فوک ڈانس اپنے عظیم اور مخصوص اسٹائل میں جاری تھا۔ جب رقص اپنے شباب پر پہنچا تو اچانک میری گھڑی چیخ اٹھی۔ اور میں جاگ اٹھا۔ شہنائی کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی اور میرے بازوں رقص کی دھن پر گھوم رہے تھے۔ مولا نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "صاحب کیا ہو گیا چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے"!

احمد رئیس



چمکیں گے نئی صبح کے آثار کہیں تو
ٹھہرے گی یہ ویران شبِ تار کہیں تو

یہ دشتِ بلاخیز کبھی ختم تو ہو گا
مل جائے گا اک سایۂ دیوار کہیں تو

پھیلے گی کسی پیکرِ گلفام کی خوشبو
چمکے گا کوئی عارض و رخسار کہیں تو

ٹھہریں گے کسی سایۂ مہتاب بدن میں
دیکھیں گے حسیں قامتِ دلدار کہیں تو

مہکے گی کوئی کشتِ تمنا تو کسی روز
برسے گا کوئی ابرِ گہربار کہیں تو

نکلو تو کبھی گھر سے رئیس آپ بھی باہر
مل جائیں گے کچھ مخلص و غمخوار کہیں تو

آفتاب مفتی

اٹھو اے آفتاب ...

بڑی پُرخار ہیں، اُلفت کی راہیں
تباہ اے دل! اُسے چاہیں نہ چاہیں
مقام آیا ہے کیسا زندگی میں
اجل کی زد میں ہیں ساری پناہیں
ستارے خاک میں پنہاں ہوئے ہیں
خلا میں ڈھونڈتی ہیں کیا نگاہیں؟"
نظامِ زر نے کچلا جسمِ غربت
فلک کو چھیدتی ہیں جس کی آہیں
نظامِ زر سے سب غارت گری ہے
نظامِ زر کو ہم کیونکر سراہیں
بدل ڈالو! یہ اندازِ گدائی
جھکا ڈالو! یہ عالی بارگاہیں
یہ دستورِ خموشی توڑ ڈالو!
تڑپ اُٹھے خدا سُن کر کراہیں
صلیبوں پر، چلو! خود کو سجا دیں
رسمِ منصور سی ہم بھی نبھا دیں،
نہ کوئی اب سجے مقتل جہاں میں"
بڑھو! بڑھ کر گرا دو قتل گاہیں
فنا ہو جائے یہ تاریکئ شب
برچھیں! اگر ڈال کر باہوں میں باہیں
اٹھو! اے آفتاب! اے دشمنِ شب!
ہیں کب سے منتظر تاریک راہیں

الفتح کراچی

"جسارت" میں سبز محافظوں کا دستہ

ابو آدم

"الفتح" نے ۱۴ اکتوبر کے شمارہ میں یہ انکشاف کیا ہے کہ جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں "البدر" نامی مسلح تنظیم کے تجربہ کے بعد مغربی پاکستان میں بھی نوجوانوں پر مشتمل اسی قسم کی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا ہے۔ الفتح نے اپنے اداریہ میں جماعت اسلامی کے جس منصوبہ کا ذکر کیا ہے وہ خود جماعت نے ۱۱ اکتوبر کو اخبارات میں شائع کرایا تھا۔ اسی سلسلہ میں سکھر سے آنے والی یہ خبر بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ "جماعت اسلامی نے اپنے سیاسی مخالفین سے نمٹنے کے لئے ہر محلہ میں ایک لڑاکا دستہ منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔"

میرے لئے یہ خبریں باعث تعجب ہیں اس لئے کہ جماعت اسلامی کے لڑاکا دستے عام انتخابات کے وقت سے کام کر رہے ہیں۔ جب صدر یحییٰ نے انتخابات کا اعلان کیا تو جماعت نے ان دستوں کی تنظیم شروع کر دی تھی۔ اور کراچی جیسے "ترقی پسند" شہر میں مختلف مقامات پر اکھاڑے کھول دیئے گئے تھے۔ جہاں کے تربیت یافتہ "صالحین لڑاکا" نے انتخابات میں مختلف مواقع پر اپنے ہنر بھی دکھاتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "الفتح" کو جماعت اسلامی کی "در پردہ کارستانیوں" کا پورا علم نہیں ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی پشت پناہی کرنے والی اسی جماعت کے کرتوت کا اگر صحیح علم نہ ہو تو محنت کش عوام کو دفاع کے لئے تیار رہنے کا مشورہ وقت پر کیوں کر دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال ضرورت اس بات کی ہے کہ الفتح اپنے "گوریلا مخبروں" کی تنظیم کو درست کرے "تاکہ رجعت پسندی کے قبرستان سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے کی عوامی جدوجہد طول طویل نہ ہو سکے۔

میں اپنے ساتھیوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جماعت اسلامی جس نے اپنے شیطانی چہرہ کو چھپانے کے لئے سفید داڑھی کا سہارا لے رکھا ہے ایک ایسی جنونی تنظیم ہے، جو دہشت گردی پر پختہ یقین رکھتی ہے اور اقتصادی انقلاب کو روکنے میں سرمایہ داروں کی مدد کر کے ان سے پوری پوری قیمت وصول کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں، اس نے عوامی انقلاب کا راستہ روکنے، انتخابات میں عوام کو گمراہ کرنے اور سرمایہ داروں سے مزید دولت ہتھیانے کے لئے کراچی سے اپنا ایک اخبار "جسارت" شائع کیا جو صرف ایک سال میں پندرہ لاکھ روپے ہڑپ کر چکا ہے۔ مگر اب تک ایک بدبودار چیتھڑے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں کر سکا۔ اس اخبار نے اپنی پیدائش کے دن سے لے کر بستر مرگ پر پہنچنے کے دن تک (جی ہاں آج کل یہ ترجمانِ جماعت اسلامی بستر مرگ پر ہے) انقلابیوں پر متواتر حملے کئے ہیں، چیئرمین بھٹو کو بے شمار گالیاں دیتے ہیں، اور روٹی کپڑے

انہوں نے اپنے شیطانی چہرے چھپانے کے لئے سفید داڑھی کا سہارا لیا ہے

اور مکان کا نعرہ لگانے والے عوام دوستوں کو واجب القتل ٹھہرایا ہے۔ اس گندے کاغذی چیتھڑے نے دور مارشل لاء میں بھی سیاسی اور مذہبی نفاق کا زہریلا دھواں پھیلایا ہے۔ پنجاب میں وہاں کے گورنر نے اخبار "مساوات" کی اشاعت کسی نہ کسی حیلے بہانے سے ایک ہفتہ تک بند رکھنے پر آمادہ ہو گئے لیکن سندھ میں کسی بھی حاکم نے آج تک خود ساختہ صالحین کے اس چیتھڑے کی بدبو دور کرنے کا خیال بھی نہ کیا۔

تھوڑے دنوں پہلے کی بات ہے۔ جب اس چیتھڑے نے عوام دشمنی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تو چند جوشیلے نوجوان اس نام نہاد اخبار کے دفتر پر پہنچے اور انہوں نے "صالحین" کی زبان میں ہی اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اس واقعہ کو دفتر "جسارت" پر حملہ سے تعبیر کیا گیا۔ اور پالتو غنڈوں کو طلب کر کے حملہ کی ڈرامائی کیفیت پیدا کی گئی۔ اس کے بعد پولیس وغیرہ بلائی گئی تاکہ حملہ کا ثبوت مہیا کیا جا سکے۔ مگر افسوس "جماعت اسلامی" کو اس سارے کھیل تماشہ سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اس وقت جو لوگ دفتر کی حفاظت کے لئے طلب کئے گئے تھے۔ وہ سب صالحین تھے، ان کو انصار کہا جاتا تھا۔ شاید کوئی تنظیم انصار کے نام سے بھی قائم کی گئی ہے۔ جو نوجوانوں کو غنڈہ گردی کی تربیت دیتی ہے۔ اور یہ تربیت یافتہ غنڈے جماعت اسلامی کے اشاروں پر اندھی شہادت کے شوق میں دوسروں کی زندگی سے کھیلنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔

میرے اس مضمون سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جماعت اسلامی کے لڑاکا دستے عرصہ سے کام کر رہے ہیں، کہیں ان کا نام "البدر" ہے اور کہیں "انصار" ہے۔ ممکن ہے کہ کسی علاقہ میں ان کا نام گرین گارڈ بھی رکھا گیا ہو۔

"الفتح" اور اس کے جاں نثاروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جماعت اسلامی نے اب اپنے لڑاکا دستوں کی تنظیم کا کام شروع کیا ہے۔ یہ کام تو بہت پہلے سے ہو رہا ہے اور اگر میرے ساتھیوں کو یہ بات نہیں معلوم تھی۔ تو میں نے حقائق کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اب ہمیں سوچنا ہے کہ ہم کب تک غافل رہیں گے۔ ہمیں اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے آج ہی سے منصوبہ بندی کرنی ہو گی اور اپنے دفاع کے لئے سرفروشوں کو منظم کرنا ہو گا۔ پہلے ہی بہت "تاخیر ہو چکی ہے، مزید تاخیر انتہائی خطرناک ہو سکتی ہے۔

پیکنگ سے شاؤشان تک

ہم ان کے "دلوں کے سرخ آفتاب" کا آبائی گاؤں دیکھنے جا رہے تھے

پیکنگ سے احفاظ الرحمٰن نے لکھا

اگلے دن ہم ریل گاڑی سے صوبہ ہونان کے دارالحکومت چھانگشا کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں سے ہمیں اگلے دن شاؤشان جانا تھا جو چیئرمین ماؤ کا آبائی گاؤں ہے اور وہاں سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ چھانگشا دریائے شیانگ چیانگ کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کو چین کے انقلاب میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ہمیشہ کسان تحریک کا مرکز رہا ہے۔ کچھ باتیں ہمیں پہلے ہی سے معلوم تھیں اور کچھ صوبائی انقلابی کمیٹی کے بیرونی امور کے نمائندوں کی زبانی معلوم ہوئیں، جن کے ساتھ ہم نے چھانگشا اور شاؤشان کا سفر کیا تھا۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ ہونان کی کسان تحریک کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹ میں تفصیل کے ساتھ اس صوبے کی کسان کا ذکر کیا ہے، جہاں ہونان کا ذکر آتا ہے وہاں چھانگشا کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے اسی شہر میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ سولہ سال کی عمر تک اس شہر میں رہے تھے اور انہوں نے یہیں سے اپنی انقلابی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا۔ وہ ۱۹۱۳ء میں چھانگشا کے مڈل اسکول میں داخل ہوئے تھے اور انہوں نے وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی تھی۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ڈیڑھ سال تک انہوں نے اسی اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ جون ۱۹۲۱ء میں وہ شنگھائی چلے گئے اور اسی سال انہوں نے شنگھائی میں کمیونسٹ پارٹی کی پہلی کانگریس میں شرکت کی تھی اور اس کے بعد واپس آکر ہونان میں کام کرنے لگے تھے۔ انہوں نے چھانگشا میں SELF STUDIES SOCIETY قائم کی تھی، جس میں چین کے بڑے نامور سیاسی کارکن اور لیڈر تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اپنے اندر تڑپ اور حرارت پیدا کرنے کے لئے ینگ شان سلسلۂ کوہ کی سب سے بلند چوٹی ی لوشان پر روزانہ چڑھا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہیں کسی چٹان پر پڑ کر سو رہتے تھے۔ یہاں سے انہوں نے جولائی ۱۹۱۹ء میں انقلابی جریدہ "شیانگ چیانگ" نکالا تھا، جس کے صرف تین شمارے نکل سکے تھے۔ اس جریدے کے بیشتر مضامین وہ خود لکھا کرتے تھے۔ یہ جریدہ بند ہو جانے کے بعد انہوں نے "نیا ہونان" کے نام سے ایک اور جریدہ نکالا تھا لیکن یہ بھی زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ انہوں نے کسانوں کے حالات جاننے کے لئے چھانگشا سے پانچ سو کلومیٹر پیدل چل کر پانچ کاؤنٹیوں کا دورہ کیا تھا، وہ انقلاب کے بعد ایک بار ۱۹۵۹ء میں بھی یہاں آئے تھے، چیئرمین ماؤ کی زندگی کے ابتدائی حالات جاننے کے لئے چھانگشا اور شاؤشان کے سیاسی اور سماجی حالات کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے۔

چھانگشا کی آبادی یوں تو صرف آٹھ لاکھ ہے لیکن مضافات کی آبادی ملا کر بیس لاکھ ہو جاتی ہے یہ ایک ہزار سال پرانا شہر ہے اس شہر کا نام چھانگشا کیوں پڑا، اس کی بڑی دلچسپ توجیہہ پیش کی جاتی ہے۔ پہلے چھانگشا کے اردگرد ریت کے بڑے بڑے ٹیلے تھے۔ چینی زبان میں چھانگ کے معنی لمبا یا لمبے اور شا کے معنی ریت ہے۔ اس لئے اس شہر کا نام چھانگشا پڑ گیا۔ ۱۹۳۸ء میں جب جاپانیوں نے اس شہر پر حملہ کیا تو کومنتانگ کے بزدل حکام اس کا دفاع نہ کر سکے اور یہاں سے بھاگ نکلے لیکن جاتے جاتے انہوں نے پورے شہر کو آگ لگا دی۔ چنانچہ اس کے بعد یہ شہر نئے سرے سے آباد کیا گیا۔

آج کا چھانگشا صنعت اور زراعت کے میدان میں تیزی کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ یہاں بہت سے چھوٹے بڑے کارخانے ہیں جن میں چھانگشا ٹیکسٹائل مل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ تمام کارخانے خوداانحصاری کے

چیئرمین ماؤ کے ت

انقلاب کی راہ میں ف



اصول کے تحت قائم کئے گئے ہیں اور ان کے لئے حکومت سے کوئی مدد نہیں لی گئی ہے۔ یہاں چینی مٹی کے برتنوں کا ایک کارخانہ بھی ہے، جو ان گھریلو عورتوں نے خود اپنے وسائل سے قائم کیا ہے۔ جن کی سرگرمیاں پہلے گھریلو مصروفیات تک محدود تھیں، یہاں کے لوتا عوامی کیمون اور چی پھنگ عوامی کیمون تاچائی سے سیکھنے کی عمدہ مثالیں ہیں، ان کیمونوں کی زرعی پیداوار میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔

چھانگشا بہت خوبصورت شہر ہے، اس کی آبادی بہت پھیلی ہوئی ہے، ہر جگہ سرسبز درخت لگے ہوئے ہیں، چونکہ کومنتانگ نے پرانا شہر جلا دیا تھا۔ اور اسے نئے سرے سے آباد کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی سڑکیں بہت کشادہ ہموار اور صاف ستھری ہیں۔ عمارتوں کی ترتیب میں بھی بڑا سلیقہ جھلکتا ہے خاص طور پر مضافاتی علاقے بہت خوبصورت ہیں، دریائے شیانگ چیانگ کے دوسرے کنارے ہنگ شان کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس کا منظر بڑا دلفریب ہے۔ دریائے شیانگ چنگ کے بیچ میں ایک لمبا سا جزیرہ ہے جسے "لمبا جزیرہ یا سنگتروں کا جزیرہ" کہا جاتا ہے۔ سنگتروں کا جزیرہ اس لئے کہ یہاں سنگتروں کا ایک چھوٹا سا باغ ہے آزادی کے بعد چیئرمین ماؤ ۱۹۵۹ء میں جب چھانگشا آئے تھے تو وہ سنگتروں کے جزیرے میں بھی گئے تھے جس سے ان کے زمانہ طالب علمی کی ان گنت یادیں وابستہ ہیں۔

بڑی خوشگوار سی صبح تھی، سورج بڑا مہربان ہو گیا تھا ہم سب بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ ہماری کاریں چھانگشا کی حدود سے نکل کر ماؤزے تنگ کے آبائی گاؤں شاؤشان کی طرف دوڑ رہی تھیں، ہماری شاؤشان دیکھنے کی ایک دیرینہ تمنا پوری ہونے والی تھی، روزانہ ہزاروں چینی شاؤشان کا سفر کرتے ہیں، آئے دن غیر ممالک کے ان گنت وفود شاؤشان آتے رہتے ہیں، وہ گاؤں دیکھنے کے لئے جہاں دنیا کے عظیم ترین عوامی لیڈر ماؤزے تنگ نے جنم لیا تھا۔ میرے دل میں ملے جلے سے جذبات کا ہجوم تھا کسے معلوم تھا کہ ایک دن کراچی کی گلیوں کا آوارہ گرد چین کے ایک دور دراز گاؤں کی عنبریں فضاؤں میں سانس لے رہا ہو گا جہاں کروڑوں دلوں پر حکومت کرنے والے اس عظیم لیڈر نے جنم لیا تھا۔

اب تک شاؤشان کی تصویریں ہزاروں بار دیکھ چکا ہوں اور اب میں وہاں کی زمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے جا رہا تھا۔

بل کھاتی سڑک کے دونوں طرف دھان کے کھیت ہوا میں لہرا رہے تھے، زمین بالکل سرخ تھی، راستے میں کسانوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں نظر آئیں۔ ہر طرف لوگ ہمیں دیکھ کر گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ لہراتے، بچے دور سے ہماری کاروں کی طرف دیکھتے اور بھاگ کر سڑک کے کنارے آکھڑے ہوتے اور بڑے بھولپن سے ہاتھ ہلا ہلا کر اپنی معصوم محبتوں کا اظہار کرتے انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کے دلوں کے سرخ آفتاب کا آبائی گاؤں دیکھنے جا رہے تھے جو کوئی ہمیں دیکھتا اس کے چہرے پر خوشیوں کا گلزار کھل اٹھتا، راستے میں صرف ایک مشہور مقام شیانگ تھان آتا ہے، صدر ماؤزے تنگ نے اپنی رپورٹ ہونان کی کسان تحریک کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹ میں اس قصبے کا بار بار ذکر کیا ہے۔ یہیں کسانوں نے ۱۹۲۷ء میں جبکہ کسان تحریک نے پورے ہونان میں زمینداروں اور مقامی ظالموں کے اقتدار کو ملیا میٹ کرنا شروع کر دیا تھا، کئی ظالم زمینداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

ہم تقریباً چار گھنٹے میں شاؤشان پہنچ گئے۔ شاؤشان ایک خوبصورت سی سرسبز وادی میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچے اونچے ہرے بھرے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں، سب سے اونچی چوٹی شاؤ تنگ سطح سمندر سے ۵۲۴ میٹر بلند ہے عام دیہاتوں کی طرح یہاں کے مکانات بھی دور دور بکھرے ہوئے ہیں، بیشتر لوگوں کا پیشہ زراعت ہے، بیشتر کسانوں کے مکانات پتھر اور اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ بیشتر مکانات کے اوپر مٹی کا پلستر چڑھا ہوا ہے، چھتیں، گھاس پھوس، لکڑی اور کھپریل کی ہیں اور ان کے اوپر بھی مٹی کا پلستر چڑھا ہوا ہے۔

جا بجا دھان کے کھیت نظر آتے ہیں، آبپاشی کا نہایت معقول انتظام ہے، جا بجا نہری نالے تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے ملنسار اور خوش مزاج ہیں اور ان کی آنکھیں اپنائیت کے جذبے کے ساتھ مسکراتی ہیں۔ سڑکوں پر سینکڑوں چینی نظر آتے ہیں، لیکن وہ بھی ہماری طرح یہاں اجنبی تھے۔ اور ہر چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پورے شاؤشان کو اپنے سینوں میں سمیٹ لے جائیں گے۔

ہم جس گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرے وہ ایک بلند پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ بہت خوبصورت عمارتیں ہیں، جا بجا خوبصورت درخت اور رنگ برنگے پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہیں جو راستہ اتنا پیچ دار ہے کہ وہاں سے نیچے کا منظر بالکل نظر نہیں آتا ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔ پہنچتے ہی ہمیں بتایا گیا کہ ہم آدھے گھنٹے بعد صدر ماؤزے تنگ کا آبائی مکان دیکھنے جائیں گے۔

سہ پہر کو یہاں ایک میوزیم دیکھیں گے جس میں چیئرمین ماؤ کی انقلابی زندگی اور سرگرمیوں کی عکاسی کی گئی ہے اور دوسرے دن صبح واپس چھانگشا روانہ ہو جائیں گے، ہمیں بتایا گیا کہ تھوڑی دیر بعد ریل گاڑی ان مسافروں کو لے کر آنے والی ہے

...ندان کے چھ افراد
...قربان ہو گئے

جو چیئرمین ماؤ کا آبائی مکان دیکھنے کے لئے چین کے کونے کونے سے یہاں آتے ہیں اور پھر سینکڑوں افراد اس مکان کے گرد جمع ہو جائیں گے، جس کی وجہ سے ہمیں یہ مکان دیکھنے میں دشواری ہوگی۔

چنانچہ ہم نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا اور اپنے کیمرے اٹھا کر تیار ہو گئے۔ میرے ساتھی چنگ ایک بار پہلے بھی یہاں آچکے تھے اور ان کے ذریعے بہت سی باتیں معلوم ہو چکی تھیں گیسٹ ہاؤس سے بمشکل آدھے کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔ ہم پیدل ہی روانہ ہوئے اور چار پانچ منٹ میں وہاں پہنچ گئے سامنے وہ مکان تھا جہاں چین کی عظیم ترین شخصیت نے جنم لیا تھا۔ یہ وہی منظر تھا جو ہم اکثر تصویروں میں دیکھتے رہتے ہیں۔ سامنے وہ تالاب تھا جس میں ماؤزے تنگ بچپن میں تیرا کرتے تھے۔ تالاب کے ایک طرف ایک پہاڑی تھی جس کے نیچے بہت سے لوگ جمع تھے، وہیں ایک فوٹو گرافر لوگوں کی تصویریں لے رہا تھا۔ اس کے آگے مکانوں کا ایک سلسلہ ہے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہمارے میزبانوں نے ہم سے تصویر کھچوانے کی فرمائش کی۔ ہمارا گروپ جلدی جلدی اسی مخصوص زاویئے پر جا کھڑا ہوا جو عام طور پر آپ تصویروں میں دیکھتے ہیں فوٹو گرافر نے دو بار ہماری تصویر کھینچی، اس کے بعد ہم سب بڑی بے تابی کے ساتھ اپنے اپنے کیمرے استعمال کرنے لگے لیکن ہمیں زیادہ موقع نہیں ملا، ہمیں ایک بار پھر یاد دلایا گیا کہ اگر ہم نے تاخیر سے کام لیا تو ریل گاڑی آنے کا وقت ہو جائے گا۔ ہم نے بڑی تنگی کے احساس کے ساتھ اپنے کیمرے بند کئے اور گائڈ کے ساتھ آگے بڑھے، تالاب کی دوسری طرف دھان کے کھیت تھے مکان کے بالکل پیچھے ایک پہاڑی ہے جس پر اونچے اونچے ہرے بھرے درخت لگے ہوئے تھے۔ ہم تنگ سے پگڈنڈی نما راستے سے مکان کی طرف بڑھے، یہ مکان عام پہاڑی علاقوں کی طرح ذرا بلندی پر واقع ہے۔

مکان کے آگے ذرا ہٹ کر پتھروں کی ایک نیچی سی دیوار بنی ہوئی ہے۔ لوگوں کے کئی گروپ پہلے ہی سے وہاں موجود تھے انہوں نے سرخ پرچم اور ماؤزے تنگ کی تصویروں کے

...چی ماؤ کی
...پھی اپنی
...جا سے گزر ر
...کبکر دشمن
...پی راز ظاہر



صوبہ کوانگ تنگ کے انقلابی عوام خود انحصاری کے اصول کے تحت آئرن اور اسٹیل کی صنعت کو ترقی دینے میں رات دن کوشاں ہیں

انہوں نے چھانگشا شہر سے اپنی انقلابی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا

پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھے لیکن شاید وہ ہماری خاطر باہر رکے ہوئے تھے تاکہ ہم اطمینان سے مکان کا ہر گوشہ دیکھ سکیں۔ عام طور پر آپ اس مکان کی جو تصویر دیکھتے ہیں، وہ پورا کا پورا ماؤزے تنگ کے خاندان کا نہیں تھا بلکہ مغربی حصہ ان کے پڑوسی کی ملکیت تھا۔ دیکھنے میں یہ ایک ہی مکان معلوم ہوتا تھا یہ وہ مکان تھا جہاں انہوں نے سب سے پہلے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں اس گھر پر کومنتانگ نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن کسانوں نے اس مکان کی اشیاء کا تحفظ کیا تھا چنانچہ یہاں کی بیشتر اشیاء اصلی ہیں۔ دیواروں پر مٹی کا چکنا پلستر چڑھا ہوا ہے چھتیں تکونی ہیں اور ان پر کھپریل لگی ہوئی ہے چونکہ یہ مکان خاصا پرانا ہو چکا ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی مرمت کی جاتی رہی ہے۔

سب سے پہلے ہم جس کمرے میں داخل ہوئے، اس میں لکڑی کے تین بڑے ڈول رکھے ہوئے تھے، چیئرمین ماؤ بچپن میں ان ڈولوں سے پانی ڈھویا کرتے تھے، لوہے کا ایک بڑا سا کڑھاؤ بھی موجود ہے جس میں جانوروں کے لئے کھانا بنایا جاتا تھا۔ پانی کی نکاسی کے لئے ایک چھوٹی سی نالی بھی ہے۔ جو دیوار کے نیچے سے باہر کی طرف نکل جاتی ہے، سردیوں میں کمرے کو گرم کرنے کے لئے چینی طرز کی انگیٹھیاں رکھی ہوئی ہیں۔ چھتوں میں اندر کی طرف لکڑی کی موٹی موٹی بلیاں لگی ہوئی ہیں۔

دوسرا کمرہ باورچی خانے اور اسٹور کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں ایک بڑی سی الماری میں برتن رکھے ہوئے ہیں۔ چھت سے ایک ٹوکری لٹکی ہوئی ہے، لکڑی کے دو بڑے ٹب اور کھانا پکانے کے لئے ایک بڑا سا چولہا بھی رکھا ہوا ہے۔ پانی گرم کرنے کے لئے دیسی طرز کی ایک انگیٹھی رکھی ہوئی ہے، دیوار کے ساتھ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈول نما برتن لٹکا ہوا ہے جس میں دانت صاف کرنے کے برش رکھے جاتے تھے، باورچی خانے سے آگے کھانے کا کمرہ ہے اس کمرے میں ایک دو بنچیں پڑی ہوئی ہیں

چیئرمین ماؤ اپنے اندر جوش اور تڑپ پیدا کرنے کیلئے روزانہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تھے

اس میز پر بیٹھ کر ماؤزے تنگ اپنے نوٹس لکھا کرتے تھے۔ یہ میز اصلی ہے۔ اس کمرے میں انہوں نے اس زمانے میں انقلابی کارکنوں کی بہت سی میٹنگیں بلائی تھیں۔ اگلا کمرہ ان کے والدین کا بیڈروم تھا۔ ماؤزے تنگ اسی کمرے میں پیدا ہوئے تھے۔ "شاؤ شان سے آفتاب طلوع ہوتا ہے"۔ اس کمرے میں ان کے والدین کی فریم شدہ تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ یہاں دو الماریاں، ایک بنچ، ایک کرسی اور ایک بیڈ رکھا ہوا ہے جس میں مچھر دانی لگی ہوئی ہے۔ مٹی کے تیل کا ایک لیمپ بھی رکھا ہوا ہے۔ "ماؤزے تنگ اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی والدہ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئی تھیں اور ۱۹۱۹ء میں ان کا انتقال ہو گیا تھا"۔ گائڈ بڑے سکون کے ساتھ ہمیں تمام تفصیلات بتا رہا تھا۔ اور ہم گم سم بُت بنے ایک ایک چیز کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے

اس کے بعد ہم ماؤزے تنگ کا بیڈروم دیکھ رہے تھے یہاں بھی پچھلے کمرے کی طرح بیڈ پر مچھر دانی لگی ہوئی ہے، ایک چوڑی سی الماری بھی موجود ہے۔ کھڑکی میں اندر کی طرف چھجا لگا ہوا ہے۔ ایک میز اور اس کے نیچے ایک بنچ رکھی ہوئی ہے، دیوار پر مٹی کے تیل کا ایک لیمپ لٹکا ہوا ہے۔ فریم میں ایک تصویر لگی ہوئی ہے جس میں چیئرمین ماؤ کے والد اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تصویر ۱۹۱۹ء میں چھانگشا میں کھینچی گئی تھی۔ اس کمرے کے اُوپر نیچی چھت والا ایک اور چھوٹا سا کمرہ ہے۔ گائڈ ہمیں بتا رہا تھا "جس میٹنگ میں شاؤ شان پارٹی کی برانچ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ وہ اسی بالائی منزل پر منعقد ہوئی تھی"۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔ اس کمرے میں اس عظیم شخصیت کے قدموں کے کتنے نقوش اُبھرے ہوں گے جس کے نقش قدم پر آج دنیا بھر کے عوام کے لئے نشانِ منزل ہیں۔ بیس صدیوں کی ساری دھڑکنیں اس چھوٹے سے کمرے میں گونج رہی تھیں

ایک چھوٹا سا کمرہ زرعی آلات رکھنے کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں لکڑی اور لوہے کے چند آلات رکھے ہوئے تھے اگلے کمرے میں ایک دیسی طرز کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں دھان کوٹا جاتا تھا۔ یہاں لکڑی کی ایک چکی بھی موجود ہے۔ لکڑی کے اسٹینڈ پر ایک بڑا ٹوکرا رکھا ہوا ہے جس میں اناج رکھا جاتا تھا۔ اور اس میں سے نکال نکال کر حسب ضرورت مشین یا چکی میں ڈالا جاتا تھا۔

اگلا کمرہ اناج کے گودام کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مویشیوں کا چھوٹا سا اصطبل اور لکڑیاں رکھنے کے لئے ایک چھوٹی سی کوٹھری بھی ہے۔ اس سے آگے ماؤزے تنگ کے چھوٹے بھائیوں ماؤزے تھان اور ماؤزے من کے بیڈروم ہیں۔ اس کے آگے ایک چھوٹا تنگ سا صحن ہے جہاں مشرق کی طرف عقبی دروازہ کھلتا ہے۔

بارش خاصی تیز ہو چکی تھی۔ اس لئے ہم سب ماؤزے من کے کمرے میں کھڑے گائڈ سے باتیں کرتے رہے۔ میں اپنے ساتھی جنگ تھین پاؤ کے ساتھ باہر صحن میں چھجے کے نیچے آ کھڑا ہوا۔ پیچھے کی پہاڑی عقبی دیوار کے بالکل ساتھ ملی ہوئی ہے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میں سو سال پرانے شاؤ شان میں کھڑا ہوا ہوں، بارش رکنے کا نام نہیں لیتی تھی ہم صحن کے دروازے سے زبردستی باہر نکل پڑے۔ اسی سمت میں تیس چالیس گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ٹیلا ہے۔ جس پر ایک جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ یہ جھونپڑی بھی اسی خاندان کی ملکیت تھی اور اس میں دھان سکھایا جاتا تھا۔ یہ جھونپڑی دیکھنے کے بعد ہم واپس اپنے گیسٹ ہاؤس روانہ ہو گئے۔ ہمیں اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ بارش کی وجہ سے ہماری تصویریں اچھی نہیں آئیں گی. کون جانتا تھا، پھر یہاں آنا ہو یا نہ ہو۔ پروگرام کے مطابق ہمیں سہ پہر کے وقت میوزیم دیکھنا تھا اور دوسرے دن صبح سویرے شاؤ شان سے رخصت ہو جانا تھا۔

لنچ کے بعد ہم میوزیم دیکھنے گئے۔ گیسٹ ہاؤس سے اُترو تو سڑک کی دوسری طرف اس میوزیم کی سادہ سی عمارت نظر آئے گی اگر کوئی پہلے سے نہ بتائے تو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اس عمارت میں میوزیم

انقلابیوں نے ریت اور ٹیلوں کے میدان کو خوب صورت شہر میں تبدیل کر دیا

ہو گا۔ اس گاؤں کا بڑا بازار بھی یہیں ہے۔ دروازے کے پاس پہلے ہی سینکڑوں افراد موجود تھے۔ ٹرین آ چکی تھی!۔ اندر بھی بہت سے چینی آنکھیں پھاڑے محویت کے ساتھ ایک ایک چیز کو دیکھ رہے تھے. اس میوزیم کا ایک نوجوان ملازم جو وہیں کا رہنے والا ہے، ہمارا گائڈ تھا اور تفصیل کے ساتھ ہمیں ہر چیز کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس میوزیم میں کل آٹھ ہال ہیں جن میں بہت سی تصویریں، چارٹ، نقشے، پینٹنگ لگی ہوئی ہیں۔ چیئرمین ماؤزے تنگ کی چند اشیاء بھی رکھی ہوئی ہیں، پہلا ہال ہمارے لئے خاصا چونکا دینے والا تھا۔ اس میں چیئرمین ماؤزے تنگ کے خاندان کے چھ افراد کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ جنہوں نے وقتاً فوقتاً انقلاب کی راہ میں اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ یہاں آ کر پہلی بار تفصیل کے ساتھ ان شہیدوں کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے۔ ابھی تک چیئرمین ماؤ کی سوانح عمری مرتب نہیں کی گئی۔ اس لئے ان کے خاندان کی زندگی کا یہ روشن پہلو ہمارے ذہنوں میں بڑا دھندلا سا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے یہ پورا کا پورا خاندان کتنا بڑا انقلابی تھا۔

۱۹۲۰ء میں ماؤزے تنگ شنگھائی میں پارٹی کی پہلی کانگریس میں شرکت کرنے کے بعد شاؤ شان واپس آئے تھے انہوں نے اپنے خاندان کو انقلاب کے لئے کام کرنے پر ابھارا تھا۔ وہ ان کی عظیم شخصیت سے پہلے ہی مرعوب تھے۔ اور ان سب نے انقلاب کی راہ کو اپنی منزل بنا لیا تھا اور اسی کے لئے کام کرتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے

سب سے پہلی تصویر ان کے چھوٹے بھائی ماؤزے من کی ہے ماؤزے من ۱۸۹۶ء میں شاؤ شان میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ بچپن ہی سے اپنے بڑے بھائی کی عظیم شخصیت سے بہت متاثر تھے چنانچہ جب انہوں نے شنگھائی سے واپس آ کر انہیں انقلاب کے لئے کام کرنے کی دعوت دی تو وہ اس کے لئے ذہنی طور پر پہلے ہی سے تیار تھے۔ ۱۹۲۲ء میں انہیں کمیونسٹ پارٹی کا رکن بنا لیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے جنوبی صوبے آن یوان میں جا کر مزدور تحریک میں کام کیا یہ وہی شہر ہے جہاں اس زمانے میں لیو شاؤ چی بھی مزدور تحریک میں کام کر رہا تھا۔ اس زمانے میں بھی لیو شاؤ چی کی راہ عمل ہمیشہ موقع پرستانہ رہی، اس لئے انہوں نے وقتاً فوقتاً اس کی مخالفت کی اور ہمیشہ صحیح راہ عمل کی نشاندہی کرتے رہے، ۱۹۲۵ء میں وہ شنگھائی گئے اور انہوں نے وہاں چھانگ چیانگ بک اسٹور قائم کیا۔ ۱۹۲۶ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے کوانگچو میں کسان تحریک کا انسٹی ٹیوٹ قائم کیا۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ کوانگچو گئے اور انہوں نے وہاں اس انسٹی ٹیوٹ میں تربیت حاصل کی اور یہاں کی تربیت مکمل کرنے کے بعد دوبارہ کسان تحریک میں کام کرنے لگے، ۱۹۳۱ء میں انہیں زوئی چھین میں مزدوروں اور کسانوں کی مرکزی حکومت کے بنک کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں سن کیانگ گئے۔ جہاں وہ آٹھویں روٹ فوج کے سنکیانگ ڈویژن کے ذمہ دار کامریڈوں میں سے ایک تھے انہوں نے چیئرمین ماؤ کے ساتھ طویل مارچ میں حصہ لیا۔ اس وقت وہ ۱۵ ویں کالم کے کمانڈر تھے۔ ۱۹۴۳ء میں کومنتانگ

چینی دوستوں کے اصرار پر ہمیں بھی گیت سُنانا پڑا

کے ہاتھوں پکڑے گئے اور شہید کر دیئے گئے، اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال تھی۔ ہم گائڈ کے ساتھ اگلی تصویر کی طرف بڑھے۔

دوسری تصویر سب سے چھوٹے بھائی ماؤ زے تھان کی ہے، ماؤ زے تھان ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے چھانگشا میں ہونان سیلف اسٹڈی یونیورسٹی میں مارکس کی تعلیم حاصل کی جو چیئرمین ماؤ نے قائم کی تھی۔ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے شوئے کھو شان کے کانکنوں کی تحریک میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کام کیا اس کے کچھ عرصہ بعد انہیں پارٹی کی رکنیت مل گئی۔ اس کے بعد انہوں نے چھانگشا میں ہونان سوشلسٹ یوتھ لیگ میں سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ یہاں انہوں نے چیئرمین ماؤ زے تنگ کی زیر قیادت موسم خزاں کی مشہور بغاوت میں حصہ لیا جب چیئرمین ماؤ اپنی فوجوں کے ساتھ چینگ کانگ پہاڑ گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے انہوں نے چینگ کانگ کے علاقہ تونگکو کی زرعی اصلاحات پر عمل درآمد کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی زمانے میں انقلاب دشمن وانگ مینگ اور اس کی ٹولی کی طرف سے ان پر موقع پرست ہونے کا الزام لگایا گیا۔ دراصل اس طرح وانگ مینگ کی انقلاب دشمن ٹولی چیئرمین ماؤ زے تنگ پر حملہ کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئی بعد میں ماؤ زے تھان نے صوبہ چیانگسی کے شہر شیاشاؤ میں پارٹی اراکین کی تربیتی کلاسیں شروع کیں اور ایک عرصہ تک وہاں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اپریل ۱۹۳۵ء میں جبکہ وہ جرچھاؤ کے شہر میں تھے چند غداروں نے کومنتانگ کو ان کا پتہ بتا دیا۔ کومنتانگ کے پٹھو سپاہیوں نے گھیراؤ ڈال کر انہیں پکڑ لیا اور شہید کر دیا۔ اس وقت ماؤ زے تھان کی عمر صرف ۳۰ سال تھی۔

اب ہم چیئرمین ماؤ زے تنگ کی پہلی بیوی یانگ کھائے فائے کی تصویر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ چیئرمین ماؤ زے تنگ کی بیوی کھائے خائے چیئرمین ماؤ کے ایک ٹیچر کی بیٹی تھیں۔ جو چھانگشا میں ہونان نمبر ایک صوبائی اسکول میں مدرس تھے یہاں چیئرمین ماؤ نے مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی، یانگ کھائے ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئی تھیں۔ چیئرمین ماؤ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کا انقلابی شعور بہت پختہ ہو گیا تھا۔ یوں بھی ان کے والد ایک روشن خیال انقلابی تھے، وہ پہلے ہونان صوبائی مڈل اسکول نمبر ایک میں ٹیچر تھے اور بعد میں پیکنگ یونیورسٹی میں کام کرنے لگے تھے انہوں نے شروع میں چین کی انقلابی تحریک کے بارے میں بہت سے مضامین بھی لکھے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں یانگ کھائے پارٹی ممبر بن گئیں اور ہونان کی صوبائی شاخ میں کام کرنے لگیں۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک انہوں نے چھانگشا، اوہان، شنگھائی، کوانچو اور دوسرے شہروں میں چیئرمین ماؤ زے تنگ کے ساتھ انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ وہ بڑے لگن کے ساتھ چیئرمین ماؤ کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ جب وہ مصروف ہوتے تو وہ ان کے لئے مضامین اور دستاویزات کی نقل کیا کرتی تھیں انہوں نے ہونان کی صوبائی شاخ میں پارٹی کی رابطہ سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، جب ماؤ زے تنگ شاؤ شان گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وہاں انہوں نے اپنی نگرانی میں کسانوں کے لئے ایک شبینہ مدرسہ قائم کیا۔ بعد میں انہوں نے چھانگشا میں پان چھانگ کے مقام پر پارٹی کے لئے زیر زمین کام کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں چند لوگوں کی غداری کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا گیا انہیں روزانہ طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ لیکن انہوں نے پارٹی کا کوئی راز ظاہر نہیں کیا۔ بالآخر نومبر ۱۹۳۰ء میں چھانگشا ہی میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی چیئرمین ماؤ زے تنگ یانگ کھائے فائے سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۷ء میں ان کی یاد میں ایک نظم بھی لکھی تھی۔ جو انہوں نے ایک شہید کی بیوی کے خط کے جواب میں لکھی تھی؛

ترا بید مجنوں، مرا سروِ ناز اں یہ دونوں ہمیں چھوڑ کر چل دیئے
زمیں تنگ دیکھی تو یہ روح بن کر بلند آسمانوں کی زینت ہوئے
کسی نے جو وو کانگ سے جا کے پوچھا
ترے پاس کچھ ہے جو تو نذر دے!
بڑی ہی عقیدت سے کہا کرتی ہے وہ
حضوری میں اُن پاک روحوں کی لایا۔
وہ دیوی کہ جو چاند میں تھی اکیلی خبر اُن کی آمد کی اس نے جو پائی
تو پہنائے افلاک میں آستینوں کو پھیلا کے اُٹھی
وفا کیش روحوں کی نذرِ عقیدت کہ وہ آسمانوں میں رقصاں ہوتی
زمیں پر ہوئی ہار جب بھیڑیئے کی۔
تو روداد یہ آسمان پر گئی
مسرت کے آنسو انہوں نے بہائے
دھواں دھار بارش زمیں پر ہوتی

(ترجمہ: انور سجاد)

ماؤ زے چین ماؤ زے تنگ کی چچا زاد بہن تھیں۔ وہ بھی ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئی تھیں۔ انہوں نے ماؤ زے تنگ کے ساتھ چھانگشا میں تعلیم حاصل کی تھی اور عرصے تک اُن کے زیر اثر رہی تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں اُنھیں پارٹی کا رکن بنا لیا گیا۔ اور چھانگشا میں عورتوں کے تیسرے مڈل اسکول میں متعین کیا گیا۔ وہاں وہ اسکول کی پارٹی برانچ کی سیکرٹری تھیں۔ ۱۹۲۶ اور ۱۹۲۷ء میں انہوں نے ہنگ یان اور ہنگ شان اور دوسرے علاقوں کی کسان تحریکوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اور جگہ جگہ کسانوں کے لئے شبینہ مدرسے کھولے۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے ہنگ یان میں پارٹی برانچ قائم کی۔ جب خانہ جنگی میں ناکامی کے بعد چیئرمین ماؤ اسٹریٹجک مدافعت اختیار کرتے ہوئے چینگ کانگ چلے گئے تھے۔ وہ گوریلا یونٹوں میں کام کرنے لگیں۔ اور بہت جلد ایک یونٹ کی کمانڈر بن گئیں۔ وہ پارٹی کی پہلی خاتون کمانڈر تھیں۔ مارچ ۱۹۲۸ء میں وہ دُشمن سے لڑتے ہوئے زخمی ہو گئیں اور انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ ایک سال سے زائد عرصے تک دُشمن کی قید میں رہیں۔ اور بالآخر اگست ۱۹۲۹ء میں اُنھیں شہید کر دیا گیا۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے یہ نعرہ لگایا "کومنتانگ مردہ باد! کمیونسٹ پارٹی زندہ باد!" اور بڑے سکون کے ساتھ موت کو گلے لگایا۔ اس وقت اُن کی عمر ۲۴ سال سے کم تھی۔

چیئرمین ماؤ کے بیٹے ماؤ آن ین ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں وہ ایک بار اپنی ماں یانگ کھائے خائے کے ساتھ دُشمن کی قید میں رہ چکے تھے۔ پارٹی اراکین نے انہیں بچا کر شنگھائی بھیج دیا۔ جہاں وہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ اِدھر اُدھر آوارہ پھرنے لگے۔ وہاں پانچ چھ سال تک انہوں نے مختلف کام کئے، پہلے ایک فیکٹری میں مزدور کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر لوٹ پالش اور کاغذ بیچنے کا کام کیا۔ ۱۹۳۶ء میں پارٹی نے انہیں ڈھونڈ نکالا۔ اور تعلیم کے لئے سوویت یونین بھیج دیا ۱۹۴۳ء میں انھیں پارٹی کا رکن بنا لیا گیا۔ جس کے بعد انہوں نے ایک طویل عرصہ تک کسان تحریک میں کام کیا۔ ۱۹۵۰ء کی دوسری ششماہی میں وہ پیکنگ کے ایک کارخانے کی پارٹی برانچ کے سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے کہ کوریا کی جنگ چھڑ گئی۔ جون ۱۹۵۰ء میں انہیں کوریا کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ نومبر ۱۹۵۰ء میں امریکی سامراجیوں اور کٹھ پتلی فوجوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس وقت اُن کی عمر ۲۸ سال تھی۔ ان کی قبر کوریا ہی میں ہے۔

اگلی تصویر چیئرمین ماؤ کے بھتیجے ماؤ چھو شونگ کی تھی جو اُن کے سب سے چھوٹے بھائی ماؤ زے تھان

کے بیٹے تھے۔ ماؤ چھ شو نگ نے اپنے اسکول کے زمانے سے ہی انقلابی مضامین لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ انہوں نے باپ کے شہید ہونے کے بعد ایک بڑا خوبصورت مضمون لکھا اور یہ عہد کیا کہ وہ اپنے شہید باپ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اور اپنے طبقاتی دشمنوں سے باپ کا انتقام لیں گے۔ چنانچہ وہ نوعمری میں ہی آٹھویں روٹ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۶ء میں وہ ین آن جا رہے تھے کہ دشمن نے انھیں گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ اس وقت اُن کی عمر ۱۹ سال تھی۔

بیشتر تصویریں ہم نے پہلے سے دیکھ رکھی تھیں۔ پھر ہمارا گائڈ خاصے اختصار سے کام لے رہا تھا۔ اس کے باوجود اس میں خاصا وقت لگ گیا۔ ابھی پانچ ہال باقی تھے۔ پروگرام کے مطابق ہمیں اگلے دن صبح چھانگشا روانہ ہو جانا تھا۔ اس لئے پروگرام میں یہ تبدیلی کی گئی کہ باقی میوزیم ہم صبح دیکھیں گے۔ اور اس کے فوراً بعد چھانگشا روانہ ہو جائیں گے۔

رات کے آٹھ بجے ہوں گے۔ گراؤنڈ فلور کے سامنے ایک نوجوان چینی لڑکی بلند آواز میں کوئی گیت گا رہی تھی۔ اس وقت میں امریکی دوست باب فرینڈ کے کمرے میں بیٹھا ہوا اُن سے بات کر رہا تھا۔ ہمیں یہ محسوس ہوا گویا کوئی اگلے کمرے میں گا رہا ہو۔ وہ بڑے اُونچے سُروں میں گا رہی تھی۔ ہم نیچے پہنچے تو معلوم ہوا ہمارے سارے چینی اور غیر ملکی ساتھی پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ایک لڑکی جو ذرا موٹی سی تھی گا رہی تھی۔ اور دوسری لڑکی جس کے نقوش کچھ تیکھے سے تھے اور جس کی مسکراہٹ بڑی شگفتہ تھی، رقص کر رہی تھی۔ ریسپشن روم کے پیچھے ہماری کاروں کے ڈرائیور اور گیسٹ ہاؤس کے دو تین ملازم بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم چپ چاپ وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اس لڑکی کے گلے میں بلا کا لوچ تھا۔ وہ سب سے اُونچے سروں سے ایک دم نچلے سروں پر آ جاتی تھی۔ اس نے بہت سے گیت گائے۔ شرمیلی ہونے کے باوجود وہ ذرا سی بھی شرمیلی نہیں تھی۔ یہاں سارے گیت انقلابی ہوتے ہیں۔ اور انقلاب سے صرف رجعت پسندوں کو شرم آتی ہے۔ ذرا سے اصرار پر یہ ایک کے بعد ایک اُس نے بہت سے گیت گائے۔ اور پھر ہماری شامت آ گئی۔ ان سب نے مل کر اصرار کیا کہ ہم لوگ بھی باری باری گیت گائیں۔ ہم سب کے چہرے سُرخ ہو گئے۔ میں نے بھی اپنے ساتھی چنگ تھیں پاؤ کے ساتھ ایک گیت "چن شادی تھاتی پان" گایا۔ جس پر ایک لڑکی نے رقص بھی پیش کیا۔ یہ لڑکیاں یہاں ماؤزے تنگ فکر کی پروپیگنڈہ ٹیم کی رکن ہیں۔ ہمارے بعد ڈرائیوروں اور دوسرے چینی ساتھیوں کو بھی گیت سنانے پڑے، کسی کو بھی فرار کی راہ نہ ملی۔ اتنی تالیاں بجتیں اتنا شور ہوتا کہ جس سے فرمائش کی جاتی وہ بے چارہ گھبرا کر گانے لگتا۔ بڑا غیر رسمی اور دوستانہ سا ماحول تھا۔ آخر میں ہم تین براعظموں کے لوگوں نے ایک ساتھ مل کر مشہور گیت "تا ہائے ین تننگ کھاؤ تو شو" (سفر کا انحصار ناخدا پر ہے اور انقلاب کا انحصار ماؤزے تنگ فکر پر ہے) گایا اور بڑے خوشگوار موڈ میں اپنے کمروں کی طرف واپس ہوئے۔

صبح ناشتے کے بعد ہم نے میوزیم کا باقی حصہ دیکھا۔ وہاں کی بیشتر تصاویر ہم نے پہلے سے دیکھ رکھی تھیں۔ اس لئے زیادہ وقت نہیں لگا۔ واپسی کے وقت وہاں کے کامریڈوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا۔ انہوں نے ہم سے ہر ایک کو چیئرمین ماؤ کی تصاویر کا ایک سیٹ اور اس گروپ فوٹو کی ایک ایک کاپی تحفے میں دی جو پہلے دن ہم نے چیئرمین ماؤزے تنگ کے آبائی مکان کے سامنے کھینچوائی تھی۔

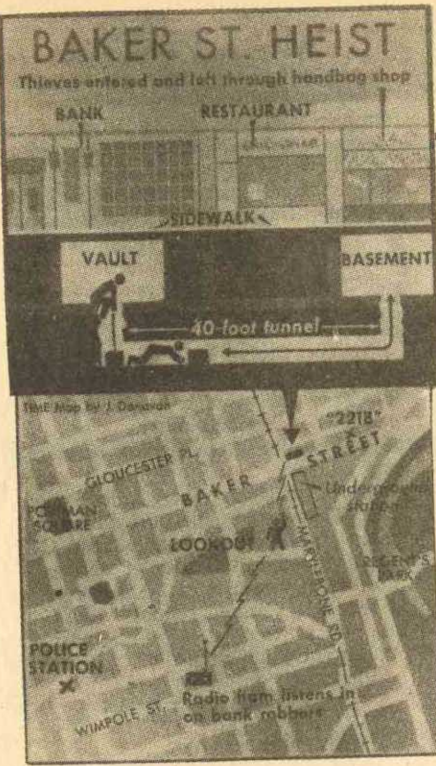
شاؤ شان کے اُونچے اونچے پہاڑ ہرے بھرے درخت لہلہاتی کھیتیاں، مسکراتے چہرے تیزی کے ساتھ ہماری نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ اور مجھے چیئرمین ماؤزے تنگ کی وہ نظم یاد آ رہی تھی جو انہوں نے ۱۹۵۹ء کی گرمیوں میں شاؤ شان آنے پر لکھی تھی

یہ میرا ماضی، یہ میرا ماضی کہ اس کی یادوں کی تابناکی
توجوں کی توں ہے۔
گذرتے لمحوں کا تیز دھارا رواں دواں ہے۔
میں گذرتے وقتوں کو کوستا ہوں۔
ابھی ابھی تیس سال پہلے میں اپنے آبائی گاؤں میں تھا
یہاں کے مجبور و بے نوا لوگ اپنے نیزوں پر
سُرخ پرچم لئے ہوئے تھے۔
سیاہ مجبور ہاتھ ظالم زمینداروں کے کوڑے
کرکٹ اٹھا رہے تھے۔
عظیم قربانیوں کے بعد آج ہم کو یہ قوتیں ملی ہیں۔
کہ چاند سورج کو ہم نے یہ حکم دے دیا ہے
کہ وہ ہمارے حضور آئیں۔
نئے دنوں کا پیام لائیں۔
میں دھان اور سیم کے حسین لہلہاتے خوشوں کو
دیکھ کر خوش ہوں۔
شام کے دُھندلے دُھندلے سائے میں چار جانب
سے لوٹتے سورماؤں کو دیکھتا ہوں۔

(ترجمہ:۔ انور سجاد)

شفیق فاروقی

برطانیہ چوریوں اور ڈاکوؤں کا مرکز بن گیا



یہ لندن کی مشہور ۱۸۵ بیکر سٹریٹ ہے یہاں ہر طرف رات کا گہرا سکون اور خاموشی مسلط ہے لائیڈز بینک کی عمارت تاریکی میں لپٹی ایک دیو ہیکل دیو کی طرح دکھائی دے رہی ہے پوری سڑک سنسان پڑی ہے " فری ریڈ ہیڈڈ لیگ کے ارکان بڑی خاموشی کے ساتھ بینک کی عمارت سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک بڑی وین سے اترتے ہیں۔ ان کے پاس نقب زنی کے اوزار، اسلحہ اور کھدائی کے تمام سامان موجود ہے

ذرا ٹھہریئے، کہیں آپ بیکر اسٹریٹ، دی ریڈ ہیڈڈ لیگ، رات کی تاریکی بینک اور پراسرار گروہ کے ذکر سے کسی غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں کہ میں مشہور زمانہ برطانوی ناول نگار سر آرتھر کانن ڈائل کے ناول دی ریڈ ہیڈڈ لیگ، کا کوئی واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ یہ تازہ واردات سر آرتھر کانن ڈائل کی مذکورہ بالا کتاب سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہے۔

چوریاں کہاں نہیں ہوتیں ڈاکے کہاں نہیں ڈالے جاتے قتل کی واردات کہاں نہیں ہوتی۔ اس قسم کے جرائم کم و بیش ہر جگہ ہوتے ہیں لیکن صرف لندن نہیں۔ پورا برطانیہ ایسے سنسنی خیز واقعات کے سلسلے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یہ دنیا کا مہذب ترین ملک کہلانے پر مصر ہے، مگر یہاں کا معاشرہ اپنے گھناؤنے جرائم کی وجہ سے سسک رہا ہے، چوری، مار پیٹ، قتل ڈاکے اور اسمگلنگ کی وارداتوں میں اتنی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ یہاں کے عوام اپنی زندگی کو محفوظ نہیں سمجھ رہے ہیں۔ چوری تو آئے دن کا معمول بن گئی ہے بعض اوقات تو لوگ یہ کام تنہا انجام دیتے ہیں، اور کبھی بڑے منظم گروہ کی صورت میں پچھلے دنوں بیکر اسٹریٹ پر واقع لائیڈز بینک میں ڈاکہ کی سنسنی خیز واردات اپنی نوعیت کی واحد ہے اس ڈاکہ میں ایک بڑی تنظیم کا ہاتھ تھا۔ جس کے گرگوں نے لائیڈز بینک کے زمین دوز والٹ سے تقریباً پانچ لاکھ سے زیادہ مالیت کے زیورات اڑا لئے۔ یہ زیورات لائیڈز بینک کے سیف ڈپازٹ لاکر میں رکھے تھے۔ اس واقعہ سے پورے برطانیہ میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ پولیس نے اپنے وسائل کو کھڑ کھڑانا شروع کیا۔ اور بالآخر ایک لمبی دوڑ کے بعد اس کا سراغ لگا لیا گیا۔ آیئے اب اس ڈاکہ کی تفصیلات سنیئے۔

پراسرار تنظیم کے گرگوں نے سب سے پہلے بینک کی بائیں جانب عمارت پر ایک ایسا آلہ نصب کیا جس کے ذریعہ وہ باہر کے حالات سے باخبر رہ سکتے تھے اس کے بعد بینک کے گردونواح کا جائزہ لیا گیا۔ رات کا سناٹا اور تاریکی ان کے کام میں مدد دے رہی تھی۔ وہ خاموشی سے لائیڈز بینک کے عقب میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ کسی قدر محفوظ اور پوشیدہ تھی، یہاں سے بینک کا فاصلہ تقریباً ۴۰ فٹ تھا گروہ کے سرغنہ نے ایک بار پھر اس جگہ کا خوب اچھی طرح سے معائنہ کیا۔ ماحول کا از سر نو جائزہ لیا اور دھیمے لہجے میں سرگوشی کی۔

یہ جگہ مناسب ہے یہیں سے کھدائی شروع کر دو۔

سرغنہ کی ہدایت پر کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ سرنگ کی کھدائی کا کام اس قدر احتیاط سے ہو رہا تھا کہ باہر ہلکی سی آواز بھی نہیں پہنچ رہی تھی، چار گھنٹے کی لگاتار اور مسلسل محنت کے بعد وہ بینک کے زمین دوز والٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اس دوران کا رابطہ برابر کی عمارت پر نصب شدہ ریڈیو سے قائم رہا۔

بینک کی عمارت سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ریڈیو آپریٹر رابرٹ رالینڈ رات کو تھکا ہوا اپنے گھر واپس آیا اس نے ریڈیو سیٹ کو آن کیا تو اسے عجیب و غریب اجنبی سی آوازیں سنائی دیں جن پر چونک پڑا۔ یہ آوازیں ڈاکوؤں کی تھیں پراسرار حیرت انگیز اور خفیہ ایک آواز بار بار جلدی کام ختم کرنے کی ہدایت دے رہی تھی۔ رابرٹ نے ان آوازوں کو اپنے ریڈیو سیٹ میں محفوظ کر لیا۔

رابرٹ نے غور سے سنا ایک پراسرار آواز کہہ رہی تھی، کھدائی کا کام جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کرو تاخیر ہمارے لئے مہلک ثابت ہو گی۔ دوسری آواز نے جواب دیا۔

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں

مارتھر کانن ڈائل کا خواب پورا ہو گیا

اس ڈاکہ کا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ نقب زنی کے سلسلے میں جو واقعات رونما ہوئے، ان کی تفصیلات برطانوی ناول نگار سر آرتھر کانن ڈائل کے شرلاک ہومز سیریز کے ایک جاسوسی ناول "دی ریڈ ہیڈڈ لیگ" میں موجود ہیں۔ اتفاق دیکھیے کہ اس ناول میں بیکر اسٹریٹ کا ذکر نمایاں طور پر موجود ہے، ناول میں بینک کے ڈاکے کو موضوع بنایا گیا ہے جبکہ گزشتہ ماہ لائیڈز بینک میں ڈاکہ ڈالا گیا۔ ناول



کے پس منظر میں بیکر اسٹریٹ کے اطراف کا حوالہ بھی موجود ہے۔ اصل میں ڈاکہ میں ڈاکوؤں کا پراسرار گروہ شاید مسٹر لاک ہومز کے خیال کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا۔

ملتان کا جاگیردار —— ٹیلی ویژن کا شہزادہ

راز داں

ناظرین!

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ ٹی وی پر ان مرد فنکاروں کو مناسب رول ملتے ہیں۔ جو پروڈیوسر حضرات کو شراب مہیا کر سکتے ہوں، شراب بند رول بند۔

اگر فنکار اس کاروبار سے ناآشنا ہو تو پھر اس کے معاوضے کے چیک میں سے معقول کمیشن پیشگی کاٹ لی جاتی ہے۔

خاتون فنکاروں کے لئے کسی کنوارے دوست کا گھر یا ہوٹل کا کمرہ بک کرالیا جاتا ہے۔ اور وہاں میاں بیوی کے روپ میں نئے ڈرامے کی ریہرسل شروع ہوجاتی ہے۔

یہ سب کچھ کسی اور پروڈیوسر کے لئے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن کراچی ٹیلی ویژن کے سینئر پروڈیوسر کنور آفتاب احمد کو ان باتوں سے انکار نہ ہوگا۔

کنور صاحب سے ہمیں کوئی ذاتی پرخاش نہیں انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی جیسے جی چاہے ضائع کریں لیکن جب ان کے کردار کی خامیاں ایک قومی ادارے کے برآمدوں اور کمروں میں دندناتی پھرنے لگیں تو پھر توجہ کی مستحق ہوجاتی ہیں۔

تو ناظرین کنور صاحب کی بے پناہ کمزوریوں میں سے دونو ان کے ماتھے پر لکھی رکھی ہیں۔

پہلی تو ہے نام — ہر قیمت پر نام

اس نام کے لئے کبھی تو وہ اپنا انٹرویو ہاتھ میں لئے کراچی اور لاہور کے اخباروں کے چکر لگاتے نظر آتے ہیں۔ یا پھر اپنے کسی ہم مشرب کے ذریعے ٹی وی ایوارڈ دینے والے نام نہاد اداروں کے ٹھیکیداروں کی منت سماجت میں لگے رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھار تو ریہرسل کے لئے آتے ہوئے فن کاروں پر رعب جھاڑ کر اس جذبے کی تسکین کر لیتے ہیں۔

کنور صاحب کی دوسری کمزوری ہے۔ صنف نازک — ہر قسم کی عمر، جسم، چہرے، ذات پات کی کوئی قید نہیں ہے۔

بقول شخصے اگر کنور آفتاب صاحب کو اکیلے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کرکے اس پر ایک لاکھ تالے لگا دیئے جائیں اور صرف پانچ منٹ بعد اس کوٹھری کو کھولا جائے تو کنور صاحب اکیلے برآمد نہیں ہوں گے ان کے ساتھ ضرور کوئی دوشیزہ ہوگی۔

اس میں دراصل کنور صاحب کا کوئی قصور نہیں، قصور تو اس تنزل پذیر جاگیردارانہ نظام کا ہے جس کی گود میں انہوں نے آنکھ کھولی (یاد رہے کنور صاحب ملتان کے ایک سرکردہ زمیندار ہیں) اس معاشرے کی چار لونڈیوں دولت، رعونت، ظلم اور عیاشی نے انہیں تھپکیاں دے دے کر جوانی کی منزل تک پہنچایا اور کیا جوانی ہے

ٹھنگنا قد، ننھے منے ہاتھ پاؤں اور ان پر رکھا ہوا پورے چھ فٹ کے مرد کا سر اور چہرہ، آنکھوں میں شیش ناگ کی سی چمک اور ہونٹوں پر ہوس کے لہراتے ہوئے سائے۔

تو ناظرین یہ ہیں کراچی ٹیلی ویژن کے کامیاب ترین ڈرامہ پروڈیوسر کنور آفتاب صاحب، ان کی مقبولیت اور کامیابی کا نسخہ ملاحظہ فرمایئے۔

کنور صاحب سارے منظور شدہ سکرپٹ پڑھ کر ان میں سے بہترین چھانٹ کر اپنے لئے رکھ لیتے ہیں اور باقی گھٹیا اور نکمے سکرپٹوں سے جان بچانے کے لئے فوراً چھٹی لے کر ملتان چلے جاتے ہیں یا پھر بیماری کا بہانہ بنا کر اپنی دوسری مصروفیات میں کھو جاتے ہیں اور قربانی کا بکرا بنتے ہیں، عشرت انصاری اور امیر امام۔

امیر امام صاحب کو تو انہوں نے اپنی گندی سیاست کی ایسی مار ماری ہے کہ اب ان کا نام کسی ڈرامے کے ساتھ آ ہی نہیں سکتا۔

اب ان کی اس گندی سیاست کے متعلق ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے

آپ کو یاد ہو کہ "اڑنگ" کے ڈرامے ایک مقامی بنک کی طرف سے پیش کئے جا رہے تھے۔ کنور صاحب کے کسی ڈرامے میں بنک کے ملازمین کے متعلق کچھ نازیبا کلمات سن کر اس بنک نے سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کنور صاحب فوراً وہاں پہنچے اور "مل ملا کر" بنک والوں کو راضی کر لیا اور ساتھ ہی یہ شرارت بھی کر آئے کہ عشرت انصاری کے ڈراموں کی سرپرستی نہیں ہونی چاہیئے۔ نتیجہ: ابھی کچھ دن پہلے اڑنگ سیریز کا ڈرامہ "مہمان" جو اس وقت سے پڑا سڑ رہا تھا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

کنور صاحب کراچی آنے سے پہلے لاہور ٹی وی میں تھے۔ وہ ٹی وی میں کیسے آئے یہ ایک الگ داستان ہے۔ سنیئے۔

کنور صاحب لندن گئے تھے۔ بیرسٹری کرنے وہاں لگ گئے اور کاموں میں۔ جیسے گئے تھے ویسے لوٹ آئے تو آتے ہی اپنے مزارعوں کے خون پسینے کی کمائی سے ایک فلم بنام "جھلک" بنائی۔ وہ اس طرح سے فلاپ ہوئی کہ آج کوئی شخص اس کے نام سے بھی واقف نہیں اور فلاپ ہونے کی وجہ کنور صاحب کو خوب معلوم ہے۔ بہرحال اس دوران لاہور میں ٹیلی ویژن آگیا۔ کنور صاحب ایک دوست کے ذریعے وہاں پہنچے اور اندر جو نظارہ دیکھا تو اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً فیصلہ کر لیا کہ دراصل ان کی جگہ تو یہ تھی خواہ مخواہ دیار غیر میں آوارگی کرتے پھرے اور پھر مل جل کر ملازمت حاصل کر لی اور زہے نصیب کہ انہیں پروگرام بھی موسیقی کا دیا گیا۔

پھر کیا تھا! کنور جی کے من کی مراد بر آئی۔ وہ لاہور کے اس بازار کے ہو کر رہ گئے۔ جس کی اداؤں سے گھائل ہوتے۔ صبح اسی کا گانا ریکارڈ ہوا اور ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ وہ وہاں کتنے مقبول تھے۔ وہ آج بھی اس بازار کی ایک ان پڑھ گلوکارہ کا قصہ مزے لے لے کر سناتے ہیں کہ اس نے کس طرح انہیں کنور جی کی بجائے "کتور جی" کہنا شروع کر دیا گیا

ایک واقعہ کراچی کا سنئے۔

کراچی ٹیلی ویژن کی ایک مقبول اداکارہ کنور جی کے ہر ڈرامے میں لی جاتی تھیں۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اب وہ عرصہ ایک سال سے صرف سندھی پروگراموں میں آرہی ہیں، اردو ڈراموں میں ان کا پتا کاٹ دیا گیا۔ کنور جی اس کوشش میں کہ اس اداکارہ کو وہاں ماریں جہاں اسے پانی نہ ملے۔ اس اداکارہ کا جرم؟

کنور صاحب اس شادی شدہ معزز خاتون پر حسب معمول پہلے ہی دن سے "دانت لگائے" بیٹھے تھے۔ اور ایک دن اپنی نوازشات کا فائدہ اٹھانا چاہا تو اس خاتون نے سختی سے ڈانٹ دیا اس کے بعد کیا ہوا اسی خاتون کا ایک جملہ دہراتا ہوں۔

"اب تو مجھے مردوں سے خوف آتا ہے"

اور کنور جی کی ہاتھی برابر انا اس چرکے کو آج بھی سہلا رہی ہے

ناظرین!۔

دیکھا آپ نے کس طرح ٹی وی پروگراموں کا سہارا لے کر فن کاروں کے گلے پر چھری پھیری جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ٹی وی کے ۹۹ فیصد ملازمین (کنور صاحب کی طرح) اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بجائے "مل جل کر" ٹی وی تک پہنچے ہیں۔ اور دوسری وجہ ہے خراب ایڈمنسٹریشن۔ کراچی ٹی وی کے سربراہ اپنے شیش محل میں مقید تمام حالات سے بے خبر اپنے عہدے کا لطف اٹھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر سربراہ ہی ایسا ہو تو پھر کنور جی بہتی گنگا میں ہاتھ کیوں نہ دھوئیں۔

الفتح

دُوسرا پانچسالہ منصوبہ الہ دین کا چراغ بن گیا

خاندان کے ۳ حِصّے، دو پھر بھی ۲۲ خاندان میں

الفتح رپورٹ

کچھ عرصہ قبل کالونی گروپ پاکستان کا بہت ہی اہم اور مضبوط گروپ تھا۔ لیکن خاندانی جھگڑوں کی بدولت اس کے تین حِصّے ہو گئے۔ دولت کی اس قدر افراط تھی کہ تین حِصّوں میں بٹنے کے باوجود دو حِصّے پاکستان کے ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں کی فہرست میں آ گئے۔

کالونی (نصیر) اس سلسلہ کی توپ کڑی ہے۔ پنجاب کے سرمایہ داروں میں یہ خاندان چوتھے نمبر پر آتا ہے۔ آزادی سے پہلے یہ خاندان آج کے دُوسرے بڑے سرمایہ داروں کی طرح معمولی تجارت پر بسر اوقات کرتا تھا۔ اس خاندان کا ایک بنک بھی تھا جو مسلمانوں کے قومی اور ملی جذبات کے بل بوتے پر معمولی کاروبار کرتا تھا۔ یہ گروپ اپنے ناجائز تجارتی ہتھکنڈوں اور سپنے شیئر ہولڈروں، مزدوروں اور ٹیکس کے محکمے کو چکمہ دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

کالونی (نصیر) کی مندرجہ ذیل چار کمپنیاں کراچی سٹاک ایکسچینج کی فہرست میں شامل ہیں۔

۱- کالونی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
۲- اسماعیل سیمنٹ لمیٹڈ
۳- نیشنل سیکورٹی انشورنس
۴- ملتان الیکٹرک

۱۹۶۶ء میں کالونی (نصیر) کی ان چار عدد کمپنیوں کا سرمایہ ۳۲ لاکھ سے بڑھ کر ۶٫۰۵ کروڑ تک پہنچ چکا تھا۔ اور ان کے اثاثوں کی قیمت تقریباً ۷ کروڑ ہو چکی تھی۔

اس گروپ کی پانچسالہ ترقی کی رفتار ملاحظہ ہو۔

سال	ادا شدہ سرمایہ (کروڑوں میں)
۱۹۵۵	۰٫۳۶
۱۹۶۰	۱٫۸۳
۱۹۶۵	۵٫۶۴
۱۹۶۹	۶٫۵۸

دوسرا پانچسالہ منصوبہ ہمارے سرمایہ داروں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہُوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹٹ پونجئے کروڑوں میں کھیلنے لگے اور اس کے ساتھ ہی ان کی ہوس میں کمی آنے کی بجائے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس منصوبے کے دوران سنبھالنے کونسا جادو کا چراغ اُن کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

کالونی (نصیر) کے اداشدہ سرمایہ میں ترقی کی رفتار سال بہ سال یہ رہی۔

سال	کالونی ٹیکسٹائل	اسماعیل سیمنٹ	نیشنل سیکورٹی انشورنس	ملتان الیکٹرک	کل
۵۴ء	۳۵	—	—	—	۳۵
۵۵ء	۳۶	—	—	—	۳۶
۵۶ء	۱۱۱	—	—	—	۱٫۱۱
۵۷ء	۱۱۱	—	—	—	۱٫۱۱
۵۸ء	۱۱۱	—	—	—	۱٫۱۱
۵۹ء	۱۸۲	—	—	—	۱٫۸۲
۶۰ء	۱۸۳	—	—	—	۱٫۸۳
۶۱ء	۱۸۳	—	—	—	۱٫۸۳
۶۲ء	۱۸۳	۱۰۹	—	—	۲٫۹۲
۶۳ء	۱۸۳	۲۱۵	۱۵	۱۳	۴٫۲۶
۶۴ء	۲۲۱	۲۲۹	۱۸	۱۳	۴٫۸۱
۶۵ء	۲۲۱	۳۱۰	۲۰	۱۳	۵٫۶۴
۶۶ء	۲۲۱	۳۴۵	۲۰	۱۹	۶٫۰۵
۶۷ء	۲۲۸	۳۴۵	۲۰	۱۷	۶٫۱۰
۶۸ء	۲۴۴	۳۴۵	۲۰	۲۵	۶٫۳۴
۶۹ء	۲۶۸	۳۴۵	۲۱	۲۵	۶٫۵۸

۱- کالونی ٹیکسٹائل

۱۹۵۱ء میں قائم ہُوئی۔ اس میں ۲۰۸۶۰ سپنڈل اور ۶۰۰ لومز لگائی گئیں۔ ۵۶ء میں یہ تعداد بالترتیب ۶۴۰۰۰ اور ۱۳۵۰ ہو گئی۔ اس کے علاوہ ایک عدد جننگ فیکٹری ملتان میں کام کر رہی ہے۔ مالکان نے پیکگ اور صنعتی ترقیاتی بنک سے مل کو جدید بنانے کے نام پر کئی قرضے حاصل کئے۔ صنعتی ترقیاتی بنک کی مدد سے غیر ملکی قرضہ حاصل کر کے ۲۶۰ لومز پولینڈ سے درآمد کی گئیں۔ ۳۰۰۰ کلو واٹ کا ایک سٹیم ٹربائن بھی نصب ہُوا۔

۲-اسماعیل سیمنٹ انڈسٹریز لمیٹڈ

۱۹۶۰ء میں اسماعیل سیمنٹ کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۶۲ء میں اسے کراچی اسٹاک ایکس چینج میں رجسٹرڈ کرایا گیا۔ یہ فیکٹری غریب وال کے ریلوے اسٹیشن سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس فیکٹری کی بنیادوں میں بھی غیر ملکی قرضہ کی کھاد ڈالی گئی اور مفت کا منافع سرمایہ دار کی جیب میں پہنچ گیا۔ اور آئی ایف سی نے ۲۳ء۲ کروڑ کے قرضہ کا بندوبست کیا۔ سیمنٹ پلانٹ اور مشینری فرانس سے خریدی گئی۔ اور دوسرا ضروری سامان امریکہ سے منگوایا گیا۔ اس کمپنی نے واپڈا سے ایک معاہدہ کرکے طاس سندھ کے پراجیکٹس بنانے کی اجارہ داری حاصل کی اور اس میں بے پناہ منافع کمایا۔ اب تیسرا بھٹہ لگانے کے لئے ایک بار پھر پبلک کو غیر ملکی قرضے کے لئے نچوڑا گیا ہے۔ نئی مشینری کے لئے ایک جرمن فرم میسرز کلوکنہ ہومبولڈ ڈیوٹ دیٹائے۔ جی کو آرڈر جا چکا ہے۔

۳-نیشنل سیکورٹی انشورنس

انشورنس کے ہر قسم کے بزنس کو پیش نظر رکھ کر یہ کمپنی ۱۹۶۳ء میں قائم کی گئی۔ اس کمپنی نے جنرل بزنس ستمبر ۱۹۶۳ء میں اور لائف کا بزنس مارچ ۱۹۶۴ء میں شروع کیا۔ دوسرے سرمایہ داروں کی انشورنس کمپنیوں کی طرح اس کمپنی کا بھی ایک ہی مقصد تھا کہ کس طرح اپنی ملوں اور دوسرے سامان پر جو پریمیم بنتا ہے وہ گھر کا گھر ہی میں رہے۔ اور اس کے علاوہ لگے ہاتھوں سرمایہ بھی جمع ہو جائے۔

۴-ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی لمیٹڈ

۱۹۲۲ء میں ملتان شہر اور مضافات میں بجلی سپلائی کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ آزادی کے بعد غیر مسلم پروموٹر اور ڈائریکٹر ملک چھوڑ کر چلے گئے اور یہ منافع بخش کاروبار کالونی گروپ کی آغوش میں آگرا۔ گھریلو اور صنعتی ضروریات میں بے پناہ اضافہ ہو جانے کی وجہ سے ملتان الیکٹرک نے کئی اور جنریٹر لگائے اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ ایک مخصوص علاقے میں ایک مخصوص گروپ کو خدا جانے کن مصلحتوں کی بنا پر اس اجارہ داری کی اجازت دی گئی ہے۔ جب کہ باقی سارے ملک میں بجلی کی تقسیم گورنمنٹ اور سیمی گورنمنٹ اداروں کے ہاتھوں میں ہے۔

کچھ عرصہ تک لاہور کا مشہور اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ بھی اس خاندان کی ایک فیکٹری کی طرح چلتا رہا لیکن جب اس کاروبار میں مسلسل خسارہ نظر آیا تو اُسے فوراً بند کر دیا گیا اور بیسیوں عامل صحافیوں کو بیروزگاری کی سند دیکر سرمایہ داری کے بلند ایوانوں کے آہنی دروازوں سے سر ٹکرانے پر مجبور کر دیا۔

نصیر اے شیخ اس گروپ کی اہم ترین شخصیت ہیں۔ کالونی (نصیر) گروپ کے ۲۳ ڈائریکٹروں میں سے ۱۷ اُن کے اپنے خاندان کے افراد ہیں۔

گروپ کے خاندان کے افراد کے نام	ڈائریکٹرشپ کی تعداد
۱- نصیر اے شیخ	۴
۲- عزیز اے شیخ	۴
۳- مغیث اے شیخ	۴
۴- ہمایوں اے شیخ	۳
۵- فاروق اے شیخ	۲
	۱۷

اس خاندان کی سیاست میں دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پنجاب کے بدنام سیاست دان میاں ممتاز دولتانہ کے صاحبزادے ریاض دولتانہ چار کی چار کمپنیوں میں ڈائریکٹر ہیں۔

بقیہ: سرمایہ دار معاشرے کا دوسرا رُخ

کھدائی کے دوران دھماکے سے خارج ہونے والی بو کے باہر پھیلنے کا اندیشہ ہے"۔ "کچھ بھی ہو"۔ پہلی والی پراسرار آواز نے دوبارہ کہا۔ کھدائی کا کام آج ہی ختم کرنا ہوگا۔

ان آوازوں کو سن کر رابرٹ کی نیند اچاٹ ہو گئی وہ سمجھ گیا کہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے۔ ممکن ہے کسی بنک میں ڈاکہ ڈالنے کی تیاری ہو رہی ہو بہر حال جو کچھ ہو رہا ہے، وہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ اس نے فوراً پولیس سے رابطہ قائم کیا۔

پولیس والوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شائد تم نشے میں ہو۔ جاؤ، جا کر آرام کرو۔ کیوں اپنی اور ہماری نیند خراب کرتے ہو"۔

رابرٹ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہے اور نہ ہی میں نشہ کا عادی ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت پر مبنی ہے ایک پولیس والے نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا اچھا چلو تمہاری باتیں ٹھیک ہیں کل دیکھیں گے کہ ماجرا کیا ہے"۔

رابرٹ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، ریڈیو سیٹ پر سنی ہوئی آوازوں کو دھرایا۔ مگر پولیس والوں کو یقین نہ آیا۔ اس کی باتوں کو مذاق سمجھا اور اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔

رابرٹ نے ادھر سے مایوس ہونے کے بعد اسکاٹ لینڈ والوں سے رابطہ قائم کیا۔ اس کی اطلاع پر فوراً ایک سارجنٹ اور چار کانسٹیبل رابرٹ کے گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے ریڈیو سیٹ پر پُراسرار آوازیں سنیں، سارجنٹ نے اپنے ہیڈ کوارٹر سے مزید آدمیوں کو طلب کیا۔ سارجنٹ نے پوسٹ آفس کے ایک ریڈیو انجینئر کو طلب کیا۔ دس منٹ کے اندر اندر ریڈیو انجینئر رابرٹ کے فلیٹ پر پہنچ گیا، اس دوران شور اور ہنگامہ کی وجہ سے رابرٹ کے فلیٹ کے گرد ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا اس تمام کارروائی میں چالیس منٹ گذر چکے تھے۔

سارجنٹ نے ریڈیو انجینئر سے کہا کہ وہ ان آوازوں کو سن کر اس خفیہ ریڈیو کی پوزیشن کا سراغ لگائے۔ جہاں سے یہ آوازیں نشر ہو رہی ہیں، ریڈیو انجینئر جب پُراسرار آوازوں کا بھید معلوم کرنے میں لگا ہوا تھا۔ تو اچانک ایک بار پھر وہی آواز سنائی دی۔ "تمام حالات ٹھیک ہیں"۔ اس کے بعد آواز آنی بند ہو گئی۔ ریڈیو انجینئر اور اسکاٹ لینڈ والوں نے دوبارہ آواز سننے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ ناکام رہے۔

دوسرے دن کی صبح ہنگامے کی صبح تھی۔ اخبارات میں جلی سرخیوں سے لائیڈز بنک میں ڈاکہ کی خبر شائع ہوئی تھی بنک کے افسران نے اطلاع دی تھی کہ لاکرز سے تقریباً پانچ لاکھ کی مالیت کے زیورات غائب ہو گئے۔

اس خبر سے پولیس اور اسکاٹ لینڈ والوں کے ہوش اُڑ گئے۔ انہیں ان کی مجرمانہ غفلت کی کڑی سزا ملی تھی۔ جس شخص نے انہیں بروقت اطلاع دینے کی کوشش کی تھی اسے دروغ گو اور اس کی باتوں کو محض مذاق تصور کرتے رہے۔ اگر ابتداء ہی میں اس شریف آدمی کی باتوں پر یقین کر لیا جاتا اور تمام وسائل کو فوری طور پر بروئے کار لائے جاتے تو یقیناً خفیہ ریڈیو سیٹ کا آسانی سے پتہ چل جاتا۔ اسکاٹ لینڈ اس واقعہ کی تحقیقات کی ہدایت کر دی۔ ڈاکوؤں کا پتہ چلانے کے لئے چاروں طرف اسکواڈ بھیجے گئے۔ رابرٹ کی ٹیپ کی ہوئی آوازوں سے ڈاکوؤں کے متعلق معلومات حاصل کی گئیں اور آخر کار اعلان کیا گیا کہ اسکاٹ لینڈ ان آوازوں کی مدد سے چند ڈاکوؤں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ ویسے اس واقعہ کو ایک ہفتہ ہو گیا مگر ابھی تک اس پُراسرار تنظیم کا کوئی آدمی گرفتار نہ ہو سکا نہ ہی لاکرز سے غائب ہونے والے زیورات کا کچھ سراغ لگ سکا۔







سرمایہ دار بننے سے پہلے سے "انقلابی" عابد زبیری کے تین روپ

میرے جیسے معمولی سرمایہ دار "انقلابی" درحقیقت بھگوڑے ہیں

عابد زبیری

"انقلاب کوئی دعوت طعام یا مضمون نویسی یا مصوری یا کشیدہ کاری نہیں، بلکہ یہ اتنا نفیس، اتنا پرسکون اور کریم النفس اتنا معتدل، رحم دل، مودب، محتاط اور عالی ظرف نہیں ہو سکتا۔" انقلاب ایک بغاوت ہے جس کے ذریعے ایک طبقہ دوسرے طبقے کا تختہ الٹتا ہے"۔ انقلاب کے بارے میں چیئرمین ماؤزے تنگ کا یہ تصور پیشہ ور انقلابی کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ عظیم لینن نے بھی پیشہ ور انقلابی بننے کی ہدایت کی ہے۔ انقلاب ہمیشہ پیشہ ور انقلابی لاتے ہیں، برصغیر ہند و پاکستان کی انقلابی جماعتوں اور انقلابی گروہوں کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ مجھ جیسے سرمایہ دار معمولی سرمایہ دار، جاگیر دار، زمیندار اور متوسط طبقے کے لوگ انقلابی جماعتوں میں شامل ہو گئے اور نہ صرف شامل ہوئے بلکہ قیادت بھی سنبھال لی۔ ہم پیشہ ور انقلابی بننے کی بجائے اپنی تجارت اور ملازمت کرتے رہے اور فارغ اوقات میں انقلاب کے لئے کام کرتے رہے۔ کام بھی کیا کیا ڈرائنگ روموں اور ائیرکنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر انقلابی فلسفہ بگھارتے رہے۔ کافی ہاؤسز اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر انقلاب اور سوشلزم لانے کے منصوبے بناتے رہے۔ کسانوں اور مزدوروں سے ناطہ نہیں جوڑا۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو ڈی کلاس کیا۔ میں نے اور مجھ جیسے معمولی سرمایہ دار اور متوسط طبقے کے "انقلابیوں" نے اپنے دلوں سے سرمایہ دار بننے کی خواہش کو ختم نہیں کیا اپنی زمینوں میں اضافہ کرنے، اپنی تجارت کو بڑھانے معیار زندگی کو بلند کرنے



ایرکنڈیشنڈ کمرے کا "انقلابی" عابد زبیری

بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے میں مصروف رہے۔ نئی کاڑی خریدنے اور پرتکلف زندگی بسر کرنے کی تمناؤں کو نہیں کچلا۔ میں ایمانداری سے محسوس کرتا ہوں کہ میں نے انقلاب کی کوئی خدمت نہیں کی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میں اور میرے جیسے معمولی سرمایہ دار اور درمیانے طبقے کے افراد اس وقت تک انقلابی نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے آپ کو "ڈی کلاس" نہیں کر لیتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معمولی سرمایہ دار اور متوسط طبقے کے حضرات بھی انقلابی ہو سکتے ہیں، بلکہ لینن نے اس پر زور دیا ہے، کہ جب تک متوسط طبقے کے افراد انقلابی تحریک میں شامل نہیں ہوتے، پرولتاری انقلابی تحریک مستحکم ہو سکتی ہے اور نہ کامیاب، لیکن یہ اسی صورت میں انقلابی کہلوانے کے مستحق ہیں جب وہ "ڈی کلاس" ہو جائیں، میں نے اپنے آپ کو "ڈی کلاس" نہیں کیا۔ اس لئے میں انقلابی نہیں بلکہ ذہنی طور پر پرولتاری انقلابی تحریک کا دوست ہوں۔

میں اور میرے جیسے "انقلابی" اپنی قیادت جمانے کے لئے اپنے کتابی علم اور مطالعہ کا رعب جھاڑتے ہیں۔ اپنے ماضی پر اکڑتے ہیں۔ میں بتاتا ہوں کہ "میں نے ساڑھے سات سال جیل کاٹی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں ساؤتھ ایسٹ ایشین کانگرس منعقدہ

GOVERNMENT OF WEST BENGAL.

HOME DEPARTMENT.

Special Section.

ORDER.

No. [illegible] H.S.

Calcutta, the 23rd December, 1947.

WHEREAS Mr. Umar Abid Zuberi, son of Late Mr. Ahmed Umar of P 30 Ganesh Avenue, Calcutta,

was arrested under section 18(*1*) of the Bengal Special Powers Ordinance, 1946 (Bengal Ordinance VI of 1946), as enacted and continued in operation by the Bengal Ordinances Temporary Enactment Act, 1947 (Bengal Act I of 1947), and was committed to custody in the Presidency Jail, for a period not exceeding fifteen days, until the 24th day of December, 1947.

Now, therefore, in exercise of the powers conferred by section 18(2) of the said Ordinance, as so enacted and continued in operation the Governor is pleased to direct that the said Mr. Umar Abid Zuberi shall be detained in Jail custody for a further period of thirty days from the date of expiry of the aforesaid period.

This is to authorise and require you to hold the said Mr. Umar Abid Zuberi in the said Jail until the 23rd day of January, 1948 unless further orders of the Provincial Government be received in the meantime.

By order of the Governor.



Deputy Secretary
to the Government of West Bengal.

To
The Superintendent, Presidency Jail.

حکومت مغربی بنگال کا وہ حکم نامہ جس کے تحت عابد زبیری کو گرفتار کرکے نظر بند کر دیا گیا۔

سرمایہ دار انقلابی

بڑے سرمایہ دار بننے کی

خواہش کے اسیر ہیں

کلکتہ میں میں نے بھارت کی نمائندگی کی، میں نے ۱۹۴۸ء میں آل انڈیا پارٹی کے اجلاس میں مندوب کی حیثیت سے شرکت کی اس طرح اپنے ماضی اور مطالعہ کے بل بوتے پر انقلابی تحریک سے وابستہ رہنے اور رفائد بننے کی کوشش کرتا ہوں، حالانکہ میں اور میرے جیسے معمولی سرمایہ دار "انقلابی" درحقیقت بھگوڑے ہیں، جب کڑا وقت آیا تحریک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یا معافی مانگ لی، اور جب حالات سازگار ہوئے تو پھر تحریک کے قائد بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ میں سمجھتا ہوں جب تک میرے جیسے لوگ پیشہ ور انقلابی نہیں بنتے، اپنی انا اور انفرادیت کو ختم کرکے انقلابی تحریک میں ضم نہیں ہو جاتے، اس وقت تک ہم اپنے دوستوں اور نئی ابھرتی ہوئی انقلابی تحریک کو دھوکا دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

ہم نے ماضی میں ان گنت اور ناقابل فراموش غلطیاں کی ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم سے بیشتر لوگ ۲۵، ۲۶ سال تک انقلابی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ اور ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے قیادت پر براجمان ہونے کی کوشش کی۔ اس طویل عرصے کے بعد ہم نے اس ملک کو یہ تحفہ دیا کہ آج تک کوئی بھی ایسی جماعت نہیں بن سکی جس میں ہر وہ شخص جو پنج شہلا سے اتفاق کرتا ہو شامل ہو جائے، اب حالت یہ ہے کہ ہر انقلابی سامراج دشمن، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا دشمن ہوتا ہے۔ طبقاتی جدوجہد اور سائنٹیفک سوشلزم پر یقین رکھتا ہے مگر منظم ہو کر کام نہیں کر سکتا! اس کی وجہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ قیادت، رہنماؤں کی انا اور ان کی انفرادیت پسندی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ایک دوسرے پر الزام تراشی، جھوٹ بولنا، کارکنوں کا استحصال کرنا، انقلاب کے نام پر چندہ جمع کرنا اور چندہ کا غلط مصرف اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔ اگر واقعی میں اور میرے جیسے بورژوا لوگ "انقلابی" بننے کے خواہش مند ہیں تو ہمیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ اگر ہم انقلاب دوست ہیں تو ہمیں نئی قیادت کو ابھرنے کا موقع دینا چاہیئے اگر ہم اپنی انا اور انفرادیت کے لئے نئی قیادت سے لڑتے رہے تو ہم انقلاب دوست بھی نہیں بلکہ انقلاب دشمنوں کی صفوں میں شمار ہوں گے۔

ہمارے ملک بلکہ پورے برصغیر کا المیہ ہے کہ میرے جیسے انقلابیوں نے مارکس انیگلز، لینن اور چیئرمین ماؤ زے تنگ کو پڑھ کر انقلابی راہوں کو متعین کرنے کی کوششیں کیں، ہم یہ بھول گئے کہ کوئی بھی انقلاب یا انقلابی تحریک کسی دوسرے انقلاب اور انقلابی تحریک کی کاربن کاپی نہیں ہو سکتی سوشلسٹ انقلاب اور انقلابی تحریک پیداوار کے تعلقات اور تضادات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ہمارے لئے لازم تھا کہ ہم اپنے ملک کے پیداواری تعلقات کے ابھرتے ہوئے تضادات کا بغور مطالعہ کرتے پیداواری تعلقات رسم و رواج

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں

عمارت ہسپتال کی —— دفتر مسلم کمرشل بنک کا



اورنگی ٹاؤن! جہاں محنت فروخت کرنیوالے سر چھپائے ہوئے ہیں

وہاب صدیقی

شمالی ناظم آباد کے پاس پہاڑیوں کے دامن میں اورنگی ٹاؤن آباد ہے۔

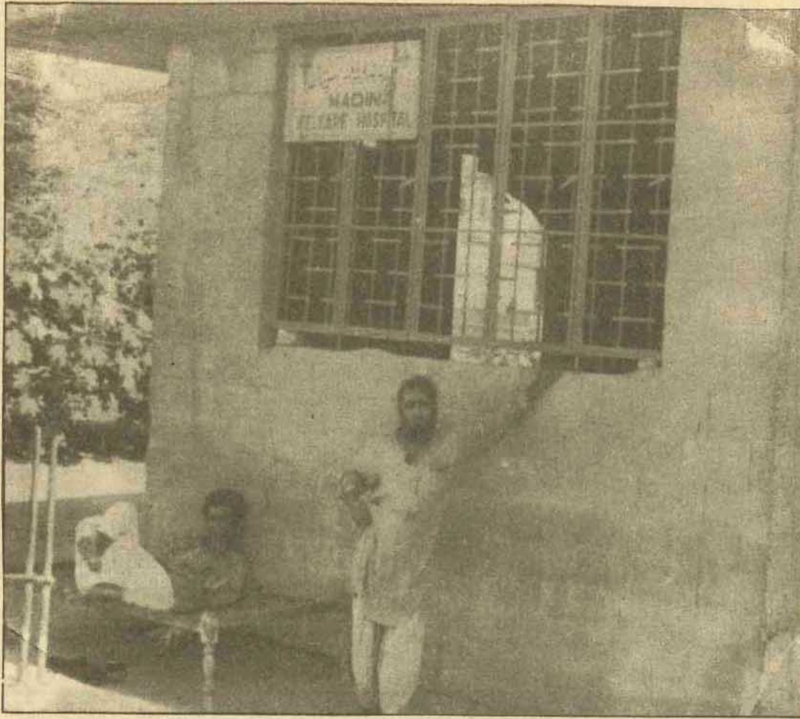
دور دور تک پھیلے ہوئے کچے پکے مکانات اور جھگیاں بانسوں اور چٹائیوں سے بنی ہوئی جھگیاں، کچی سڑکیں، گہرے گڑھے پڑے ہوئے اونچے نیچے راستے ہیں، یہاں ہوا بھی اپنا دامن بچا کر گذرتی ہے کہ کہیں عزت کے چند داغ اس کے دامن پر نہ لگ جائیں۔ اس کے کچھ ہی فاصلے پر شمالی ناظم آباد کے عالی شان اور بلند و بالا بنگلے کشادہ سڑکیں، جگ مگ کرتے ہوئے نیوسائن ہیں۔ مرکری بلبوں کی دودھیا روشنی ہے اورنگی ٹاؤن اور شمالی ناظم آباد ان تضادات کے مظہر ہیں، جو ہمارے معاشرے کے مختلف طبقوں کے درمیان ہیں۔ اورنگی ٹاؤن کے باسی محنت کش مزدور ہیں۔ جن کی اکثریت برسوں سے منگھو پیر کے صنعتی ایریا میں اپنی محنت فروخت کرنے پر مجبور ہے ان دست دولت آفرین نے سرمایہ داروں کے کارخانوں اور دولت میں اضافہ تو کر دیا، لیکن اپنی زندگی نہ بدل سکے۔ زندگی ان کے لئے بوجھ بن گئی ہے۔ ایک عذاب ہے۔ جرم ہے، ایک غریب آدمی کی زندگی کا سب سے بڑا جرم اُس کی زندگی ہی ہے۔

کتنی سنگین ہے یہ جرم "غریبی" کی سزا

اورنگی ٹاؤن میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب ایک وسیع و عریض پلاٹ نظر آتا ہے۔ عمارت زیر تعمیر ہے۔ سیمنٹ کے بلاک اسیمنٹ کی بوریاں اور کافی بجری پڑی ہے۔ ایک کمرہ تعمیر ہو چکا ہے۔ اس کی ایک کھڑکی پر ایک بورڈ آویزاں ہے جس پر لکھا ہے "مدنیہ ویلفیئر ہسپتال۔ عمارت زیر تعمیر ہے۔ کمرے کے سامنے کھمبے پر ایک بورڈ لگا ہوا ہے جس پر یہ تحریر ہے"۔ یہ جگہ ہسپتال کے لئے الاٹ کر دی گئی ہے۔ اس پر قبضہ کرنا منع ہے بحکم ڈپٹی کمشنر" لیکن اس کمرے میں مسلم کمرشل بنک کا دفتر ہے بورڈ بھی لگا ہوا ہے۔ لیکن اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، اپنے ذہن پر زور نہیں دیجئے۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ یہ بنک ایک طرح کا ہسپتال بھی ہے، بلکہ بلڈ بنک کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی جمع کر کے اس کا انجکشن سرمایہ داروں کو لگایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مظلوم و غریب سرمایہ دار نحیف و نزار ہو جائیں گے۔

ایوب شاہی کے زمانے میں مدینہ ویلفیئر ہسپتال والوں کو یہ پلاٹ الاٹ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہسپتال والوں نے ایک روپے فی گز کے حساب سے یہ زمین کے، ڈی، اے سے خریدی۔ زمین خریدنے کے بعد کافی عرصہ تک تعمیر کا کام شروع نہیں کیا گیا۔ در پردہ اسے فروخت کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں اگرچہ کے ڈی

مشرقی پاکستان کے مہاجروں کی آبادکاری کی دعویدار سیاسی جماعتیں کہاں ہیں۔؟



مُدینہ ویلفیئر ہسپتال" - برائے نام

کی شرط کے مطابق یہ پلاٹ ناقابل فروخت تھا۔ اس لیے کوئی شخص اسے خریدنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس میں ناکامی ہوئی تو ہسپتال کی بجائے دکانیں بنانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ چنانچہ ایک کمرہ بنا کر مسلم کمرشل بنک کو کرائے پر دے دیا گیا، حالانکہ کے۔ ڈی۔ اے کی شرائط کے مطابق ہسپتال یا اسکول کے لیے الاٹ شدہ پلاٹ کو کمرشل پلاٹ نہیں بنایا جا سکتا۔ اب عوام کو دھوکا دینے کے لئے "مدینہ ویلفیئر ہسپتال۔ عمارت زیر تعمیر ہے" کا بورڈ آویزاں کر دیا گیا۔ بارسوخ ذرائع کا کہنا ہے کہ درپردہ اس بات کی کوششیں جاری ہیں۔ کہ کے۔ڈی۔ اے سے اسے کمرشل ایریا میں منتقل کروا دیا جائے۔

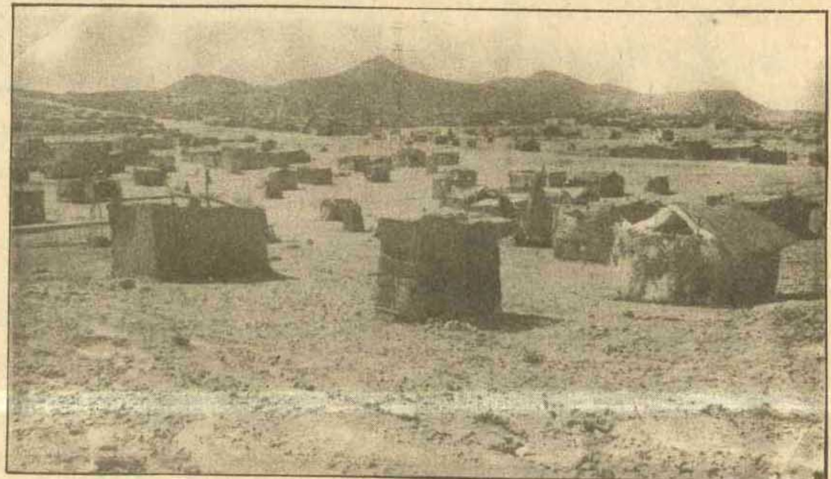
اورنگی ٹاؤن کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس علاقہ میں ایک بھی گورنمنٹ کا ہسپتال، ویلفیئر ہسپتال یا گورنمنٹ ڈسپنسری نہیں ہے۔ صرف ایک چھوٹا سا نجی ہسپتال، علی گڑھ ہسپتال ہے۔ اس میں بھی بستروں اور زچہ خانے کا انتظام نہیں اس وجہ سے مریضوں کو پیدل چل کر ناظم آباد جانا پڑتا ہے۔ پیدل اس لئے کہ اس علاقے میں بسوں کی بہت کمی ہے۔ ٹیکسی اور رکشا ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ زچہ خانہ نہ ہونے اور ٹیکسی یا رکشا نہ ملنے کی وجہ سے کئی ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ طبی امداد نہ ملنے سے زچہ کا انتقال ہو گیا یا بچہ پیٹ ہی میں مر گیا۔

ایک فلسفی نے کہا تھا۔ "اگر حکومت کرنی ہے تو عوام کو جاہل رکھو"۔ اسی مقولہ پر اورنگی ٹاؤن میں عمل ہو رہا ہے۔ پورے علاقے میں ایک بھی گورنمنٹ اسکول نہیں۔ اسکولوں کے پلاٹ کی الاٹمنٹ ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن ابھی تک اسکول کی عمارت تو درکنار ایک کمرہ بھی تعمیر نہیں ہو سکا۔ چند پرائیوٹ اسکول ہیں۔ ان کی فیس اس قدر زیادہ ہے کہ اورنگی کے باشندے ادا نہیں کر سکتے نتیجتاً اورنگی کے طلبا کو ناظم آباد جانا پڑتا ہے۔ بعض افراد ایسے بھی ہیں جو آمد و رفت کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے بچے سڑکوں اور گلیوں میں کھیلتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح ایک ایسی نسل پروان چڑھ رہی ہے جسے اس معاشرے نے محرومیوں اور نفرت کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ اورنگی ٹاؤن کے عوام کا مطالبہ ہے کہ یہاں ہائی اسکولوں کے علاوہ ایک کالج بھی قائم کیا جائے۔

اورنگی ٹاؤن میں کمرشل پلاٹ نیلام کئے گئے۔ بولی ڈھائی سو سے تین سو روپے فی گز تک گئی۔ اورنگی کے باشندوں کا مطالبہ تھا کہ کمرشل پلاٹ صرف اورنگی کے رہنے والوں کو دیئے جائیں پہلے پہل تو کے۔ڈی۔اے کے حکام راضی نہ ہوتے لیکن آخر کار انہیں عوام کی مرضی کے سامنے جھکنا پڑا۔ لیکن یہاں سرمایہ داروں نے ایک اور چال چلی کہ چند ضمیر فروشوں اور اپنے ایجنٹوں کو جو اورنگی ٹاؤن میں رہتے تھے۔ پیسے دیئے اور ان کے ذریعے نیلام میں کمرشل پلاٹ خرید لئے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اورنگی کے محنت کش عوام کس طرح ڈھائی سو یا تین سو روپے فی گز کی بولی دے سکتے تھے۔

اورنگی ٹاؤن میں پانی کی شدید قلت ہے۔ کچھ علاقے میں تو کے۔ڈی۔اے نے پانی سپلائی کر دیا ہے۔ لیکن سیکٹر ۱۱، ۱۴، ۱۵ اور کئی دوسرے علاقوں میں پائپ لائن نہیں ڈالی گئی۔ کے۔ڈی۔ اے کے حکام کا کہنا ہے کہ ان علاقوں پر لوگوں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ انہیں پلاٹ الاٹ نہیں کئے گئے۔ اس لئے وہ پانی سپلائی نہیں کر سکتے۔ مذکورہ بہانہ قانونی موشگافی تو ہو سکتا ہے لیکن انسانی نقطۂ نظر سے کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، ۵۰، ۶۰ ہزار افراد کو پانی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم رکھنا کسی طرح جائز نہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دولت کے پجاریوں نے پانی کو بھی تجارت کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ بڑی بڑی پختہ ٹنکیاں بنالی ہیں، ۲۲، ۲۳

باقی صفحہ ۳۸ پر ملاحظہ فرمائیں



اورنگی ٹاؤن کے تپتے ہوئے میدان میں پھیلی ہوئی جھگیاں۔

ہنزہ سے چاٹگام تک

پشاور

"ہمارے پاس پستول نہیں عوام کی طاقت ہے" (بھٹو)

نمائندہ خصوصی پشاور

گذشتہ ہفتے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران ڈیرہ اسماعیل خان پشاور، پبی، امان گڑھ، مردان، ہاتھیان، تیمرگرہ اور مالاکنڈ میں عوام کے جن اجتماعات سے خطاب کیا ان کی خاص خاص باتیں درج ذیل ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان

- "عوام کی بالادستی اور جمہوریت کی بحالی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کی جائے گی"
- "عوام کے خلاف کوئی سازش نہ چلنے دی جائیگی"
- "عوام کے حقوق کے لئے اگر تحریک بھی چلانی پڑی تو دریغ نہ کیا جائے گا" جناب بھٹو نے ڈیرہ کے عوام سے سوال کیا کہ اگر کہ اگر انہوں نے ظلم اور جبر کے خلاف تحریک چلائی تو کیا وہ ان کا ساتھ دیں گے؟ اس سوال کے جواب میں عوام اُٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ "ہم آپ کے ساتھ ہیں" ہم اپنی جانیں نچھاور کر دیں گے۔"

پشاور

- "گذشتہ انتخابات کے دوران حکومت نے خان قیوم کو ۲۰ لاکھ روپے فراہم کئے تھے"
- پنجاب کے گورنر سندھ کے پانی کی تقسیم کو سیاسی بحران بنا کر پیپلز پارٹی کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
- پنجاب کی حکومت پیپلز پارٹی کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے لئے سازشیں کر رہی ہے۔
- اگر یہ سچ ہے کہ بھارت کے حملے کا خطرہ ہے تو پھر سندھ اور پنجاب کے عوام کو لڑانے کی کوششیں کس غرض سے کی جا رہی ہیں، کیا ملک کے اندرونی انتشار سے بھارت کی جارحیت کو ختم کرنے میں مدد مل سکتی ہے؟ اگر پنجاب کی حکومت نے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں عوام کو یہ بتانے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ جنگ کا کوئی خطرہ نہیں
- اقتدار پیپلز پارٹی کا آئینی حق ہے عوام نے ہمیں اقتدار کے لئے منتخب کیا ہے قائد اعظم نے یہ ملک فوجی حکومتوں کے لئے حاصل نہیں کیا تھا ۲۲ خاندانوں کے لئے پاکستان نہیں بنایا گیا تھا۔ پاکستان استحصال کے خاتمے اور ہندو سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ پیپلز پارٹی عوام کے اس حق کے لئے جدوجہد کرتی رہے گی۔

پبّی

- پیپلز پارٹی مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے لئے ہر آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے ہم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ملک کی قسمت بدل کر رہیں گے
- اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ کے خلاف متحد ہو جاؤ منظم ہو جاؤ۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز پیدا کرو
- میں عوام کے حقوق سے کسی قیمت پر غداری نہ کروں گا۔

"امان گڑھ"

امان گڑھ میں کالونی سرحد ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں نے جناب بھٹو کا شاندار استقبال کیا کالونی ملز کے مزدوروں نے ملز کے گیٹ کے سامنے پہلے سے ایک جلسے کے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ ملز کی انتظامیہ نے مزدوروں کو بادل نخواستہ جلسے میں جانے کی اجازت تو دے دی مگر ملز کے دروازے اس وقت تک بند رکھے جب تک جناب بھٹو جلسے سے خطاب کر کے چلے نہ گئے پچھلے دنوں جب ملز کی انتظامیہ کی شکایت پر سولہ مزدوروں کو ملٹری کورٹ سے قید جرمانے اور ۱۲ اور ۱۳ کوڑوں کی سزا دی گئی تھی تو یونین کی درخواست پر جناب بھٹو نے اعلیٰ حکام تک احتجاج کیا تھا اور مزدوروں کے خلاف کئے گئے اقدامات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا ۲ ماہ بعد مزدور حال ہی میں رہا کر دیئے گئے تھے چنانچہ ان کا یہ جوش و خروش جناب بھٹو کی انہی کوششوں کا ردعمل تھا۔ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔۔۔

- ایشیا اور افریقہ میں انقلابات ناگزیر ہیں۔
- نئے پاکستان کی تعمیر کے لئے انقلاب مقدر ہو چکا ہے پاکستان میں ضرور انقلاب آئے گا۔
- انقلاب کے لئے مسلسل اور طویل جدوجہد لازمی حقیقت ہے۔
- صرف اعلیٰ قسم کے منشور رکھ دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے اصل چیز عمل ہے۔
- انقلاب کے لئے سیاسی جدوجہد لازمی ہے اور سیاسی جدوجہد میں ہر پہلو پر نظر رکھنی ضروری ہے کبھی آگے بڑھنا پڑتا ہے کبھی وقفے کے لئے رک جانا پڑتا ہے اور کبھی کبھی پیچھے بھی ہٹنا پڑتا ہے انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ انتھک جدوجہد کی جائے۔
- انقلاب کو مجروح نہ کیجئے نہ ہی یہ ایک روز میں مکمل ہو سکتا ہے۔
- جن سرمایہ داروں نے مزدوروں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے ہیں انہیں بھی انہی کوڑوں سے نوازا جائے گا۔ انقلاب آپ کی اور آپ کے بچوں کی زندگی ہی میں آئے گا۔
- اپنے دشمنوں پر گہری نظر رکھئے، خانہ کلاسی یہی ہے کہ آپس میں متحد رہیئے، دشمن کی چالوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، پیپلز پارٹی آخری دم تک آپ کے ساتھ ہے۔

"مردان"

- جب تک میرے بدن میں لہو کا ایک قطرہ اور روح موجود ہے میری جدوجہد جاری رہے گی۔
- انتخابات سے مسائل حل نہیں ہوتے انتخابات مقصد نہیں مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں اصل کام منظم جدوجہد ہے۔
- انتخابات میں حصے کر ہم نے جدوجہد کے راستے بند نہیں کئے ہم اسمبلی کے اندر ہی نہیں باہر بھی

اپنی جد و جہد جاری رکھیں گے۔

• میں بذات خود کچھ بھی نہیں اصل چیز عوام ہیں عوام ہی کے تعاون سے میں نے ایوب کی آمریت سے ٹکر لی تھی اور عوام ہی کے تعاون سے انتخابات میں کامیابی حاصل کی آئندہ بھی اگر ضرورت ہوئی تو عوام ہی کے تعاون سے ظلم کے خلاف جہاد کروں گا

• قربانیوں کا سلسلہ کب ختم ہو گا۔ گذشتہ ۲۴ سالوں سے عوام سے قربانیاں طلب کی جا رہی ہیں مگر ان قربانیوں کے بدلے میں عوام کو صرف گولیوں اور کوڑوں سے نوازا گیا آخر یہ ناانصافی کب ختم ہو گی۔

• عوام سے جس مادر وطن کے لئے ۲۴ سالوں سے قربانیاں طلب کی گئی ہیں وہ عوام کے لئے سوتیلی مادر وطن بن گئی ہے وہ صرف ۲۲ خاندانوں اور افسر شاہی کی مادر وطن ہے ہمیں اس مادر وطن کو عوامی مادر وطن بنانا ہے، عدل و انصاف کی مادر وطن بنانا ہے جمہوری مادر وطن بنانا ہے۔

• ہم سے شریفوں کی طرح بات کرو عوام کی اکثریت کی رائے کا احترام کرو ہمارے پاس کوئی پستول نہیں صرف عوام کی طاقت ہے۔

• عوام سے نفرت نہ کرو عوام کو حقارت سے نہ دیکھو، عوام پیار کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں عوام سے وہ لوگ ڈرتے ہیں۔ جن کے ہاتھ عوام کے لہو سے رنگے ہوتے ہیں جو چور ہوتے ہیں، جو مجرم ہوتے ہیں ہمارے ہاتھ صاف ہیں۔ صاف ہیں۔

• پیپلز پارٹی کے خلاف سازشیں بند کرو پیپلز پارٹی کی طاقت عوام ہیں، اور عوام کسی بھی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں گے

• لائل پور اور قصور میں جو سازشیں کی جا رہی ہیں مجھے ان کا علم ہے مجھے نیشنل سیکورٹی کونسل ڈی آئی بی اور سیکرٹری اطلاعات کی سازشوں کا بخوبی علم ہے۔

• میرے خلاف افرایشیائی کانفرنس کی جد و جہد کے زمانے سے سازشیں کی جا رہی ہیں سامراجی طاقتیں میرے خلاف سازشیں کر رہی ہیں مگر میں ان سازشوں کو ناکام بنا دوں گا۔ میں کسی حال میں پھسلنے والا نہیں۔

• میں احسان فراموش نہیں عوام نے مجھ پر بڑا احسانات کئے ہیں جب تک ان کا بدلہ ادا نہ کردوں مجھے چین کی نیند نہیں آئے گی۔

• مصنوعی اکثریت بنانے اور پیپلز پارٹی کو اقتدار سے محروم کرنے کی جو سازشیں ہو رہی ہیں انہیں ناکام بنا دیا جائے گا۔ عوام پر کوئی غیر نمائندہ حکومت مسلط نہ ہونے دی جائے گی۔ اگر عوام پر کوئی غلط حکومت ٹھونسی گئی تو میں ایسی کسی بھی حکومت کو چالیس روز کے اندر اندر ختم کر دوں گا۔

مفرور مجرموں اور غنڈوں کی سرکوبی یا کسانوں کی سرکوبی

زبیر حسین

تحصیل چارسدہ میں کسان تحریک کو ختم کرنے کی ناپاک اور مکروہ چالیں کھیلی جا رہی ہیں کسان عوام کو ظالمانہ کارروائیوں کا شکار بنایا جا رہا ہے، اور صوبہ سرحد کے کسانوں پر فائرنگ کرکے غریب عوام کو ہلاک و مجروح کیا جا رہا ہے۔

"مفرور مجرموں اور غنڈوں کی سرکوبی" کے نام پر کسان تحریک کے خلاف پولیس اقدامات کئے جا رہے ہیں ایک رپورٹ کے مطابق ۲۵ ستمبر کو پولیس کی بھاری جمعیت نے تحصیل چارسدہ کے مختلف دیہاتوں کا محاصرہ کرکے کسانوں کی تلاشی لی اور مزارعین کے متعدد رہنماؤں کو ناجائز اسلحہ رکھنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔

جب اخبار نویسوں نے رات کے وقت اس سلسلے میں پشاور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو بتایا گیا کہ وہ ابھی سو رہے ہیں یاد رہے کہ تحصیل چارسدہ میں یہ مہم ان کی نگرانی میں شروع ہوئی ہے۔ پولیس نے اس مہم کو اشتہاری مجرموں اور غیر قانونی اسلحہ کی تلاش کا نام دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس دوران متعدد اشتہاری مجرم گرفتار کئے گئے اور بھاری تعداد میں غیر قانونی اسلحہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ تاہم اس سلسلے میں صحیح تعداد نہیں بتائی گئی۔ پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے جوانوں نے مشتبہ اشخاص کی تلاشی لی اور مزارعین کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کیا۔

"اشتہاری مجرموں اور غیر قانونی اسلحہ کی تلاش" کی سرکاری "مہم" بازی کے خلاف صوبہ کے کسانوں مزدوروں طالب علموں اور محب وطن و ترقی پسند عناصر کے متوقع احتجاج کے پیش نظر ۲۶ ستمبر کو پشاور سے جاری ہونے والے ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ میں کہا گیا ہے کہ ضلعی پولیس نے بٹ گرام اور چارسدہ کے علاقوں میں جو کارروائیاں شروع کی ہیں ان کا مقصد مفرور مجرموں اور غنڈوں کی سرکوبی کرنا ہے اور یہ خبریں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں کہ پولیس کے اقدامات کسان تحریک کے خلاف ہیں ہینڈ آؤٹ میں سینیئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے وہ مجرم ہیں یا مجرموں کو پناہ دینے والے۔ ایس پی نے دعویٰ کیا ہے کہ پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے جوانوں کی کارروائیاں علاقے کے عوام کی جانب سے غنڈوں کے خلاف مسلسل شکایتوں کے بعد شروع کی گئی ہیں اور اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک کہ علاقے کے مجرموں کو پکڑ کر ان کی کمین گاہیں تباہ نہیں کر دی جاتیں۔"

یہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ اشرافیہ غلاموں کو، جاگیردار مزارعین کو، سرمایہ دار مزدوروں کو اور ظالمین مظلوموں کو "غنڈوں" اور "مجرموں" کے نیک القابات سے نوازتے رہے ہیں لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ "کمین، ذلیل، غنڈے اور مجرمین" جو ظالم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے وحشیانہ استحصال اور ظالمانہ لوٹ کھسوٹ کے خلاف جد و جہد کر رہے ہیں ملک کی آبادی کی اکثریت تشکیل دیتے ہیں۔ چند جاگیرداروں کے نکتہ نظر سے ملک کی آبادی کا ۸۵ فی صد حصہ یعنی مزارعین "کمین ذلیل غنڈے اور مجرم" ہیں اور چند سرمایہ داروں کے نکتہ نظر کے مطابق لاکھوں مزدور بھی اسی فہرست میں آتے ہیں۔

اگر ملک کے محنت کش عوام ان مٹھی بھر ظالموں کے وحشیانہ استحصال کے خلاف اپنی نفرت اور غصہ کا اظہار کرتے ہیں تو نظریہ پاکستان اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو جاتا ہے لیکن اگر سینکڑوں کسانوں کو قتل کر دیا جائے، ہزاروں کسانوں کو پابند سلاسل کر دیا جائے۔ ہزاروں کسانوں پر بے بنیاد مقدمات قائم کر دیئے جائیں۔ ان کے مقتدر رہنماؤں

کو گرفتار کر لیا جائے۔ اور اذیتیں دی جائیں تو کسی چیز کو بھی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

ان تمام ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف چارسدہ اور تنگی کے کسانوں نے صوبائی حکومت سے سخت احتجاج کیا ہے کہ پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے جوان چارسدہ اور تنگی میں کسانوں کے گھروں پر چھاپے مار کر انہیں ہراساں کر رہے ہیں۔ کسانوں کے مطابق مفروروں اور غنڈوں کی گرفتاری کا بہانہ بنا کر پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری والے غریب کسانوں پر تشدد کر رہے ہیں اور کسانوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔ کسانوں نے اس بات پر سخت احتجاج کیا ہے کہ پولیس اور کانسٹیبلری کے جوان اپنی چھاپہ مار مہم میں پردہ دار خواتین کا احترام بھی ملحوظ نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ کوئی رعایت برتتے ہیں۔ کسانوں نے الزام لگایا ہے کہ حکومت جاگیرداروں کے من گھڑت بیانات اور جھوٹے الزامات کی بنیاد پر کسانوں کی تلاشیاں لے رہی ہے کسانوں کا کہنا ہے کہ نیپ کی ''سرخ پارٹی'' میں ملازمت کے دعوے بے بنیاد ہیں۔ صوبہ کے عوام اپنے قدیم رسم و رواج کے مطابق ہر گھر میں ''لائسنس یافتہ'' اسلحہ رکھتے ہیں درحقیقت پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری نے کسانوں سے ان کے لائسنس دار اسلحہ جات بھی چھین لئے جس کی وجہ سے اب کسان خود اپنی سرحد کے ہتھیار بند ''غنڈوں'' کے مقابلے میں نہتے رہ گئے ہیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے ملک کے محب وطن ترقی پسند حلقوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حکمرانوں کے جبر کے خلاف جدوجہد کرنے والے کسانوں کی امداد و حمایت کریں۔ مختلف ترقی پسند جماعتیں جنہوں نے حالیہ انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کی ہے متحد ہو کر اپنے ووٹروں کے حقوق کا تحفظ کریں۔



گجرات

چنگیاں نیلام، جھاڑو پر گیارہ گنا محصول لگنے لگا

طارق جاوید چوہدری

پنجاب میں چنگیاں نیلام کرنے کی جو رسم چلی تو اس وبا نے گجرات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا گجرات کی محصول چنگیاں سرمایہ داروں کے ہاتھوں نیلام کر دی گئیں۔ بٹ ٹریڈنگ کمپنی نے تقریباً بارہ لاکھ روپے کے عوض ٹول ٹیکس اور محصول چیکیوں کا ٹھیکہ حاصل کیا۔ اس کمپنی کے مینیجنگ پارٹنر مشتاق احمد بٹ ہیں۔ گذشتہ عام انتخابات میں موصوف نے قیوم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑا لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ان کا برج الٹ دیا گیا۔ اپنی ضمانت تک ضبط کرا بیٹھے۔ مشتاق احمد بٹ اپنی شکست اور محنت کش عوام سے اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے منصوبے بناتے رہے جب چنگیاں نیلام ہوئیں تو موقع سے فائدہ اٹھا کر بٹ ٹریڈنگ کمپنی کے نام پر ٹھیکہ لے لیا۔ اب انہوں نے اپنے غنڈوں کو تمام چیک پوسٹوں پر بٹھا دیا ہے۔ جو غریب اور مظلوم مسافروں کو طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں بعض اوقات نوبت مار پیٹ اور گالی گلوچ کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

گذشتہ دنوں ایک عمر رسیدہ خاتون ایک دیہات سے گجرات آئیں کچھ گھریلو سامان کے ساتھ ایک نیا جھاڑو بھی تھا۔ جس کی قیمت بمشکل ۲۰ پیسے ہو گی۔ چنگی پر انہیں روک لیا گیا۔ اور جھاڑو پر گیارہ گنا محصول لگایا گیا۔ جو جھاڑو کی قیمت سے بھی چار گنا بنتا تھا۔ وہ خاتون پریشان ہو گئیں۔ اور آخر کار جھاڑو چنگی والوں کے نذر کر کے نجات حاصل کی اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک عورت گھریلو استعمال کے لئے آدھ سیر گھی دیہات سے لائی۔ اس سے بھی محصول طلب کیا گیا حالانکہ ذاتی استعمال کی اشیاء پر محصول نہیں لیا جاتا۔ اس خاتون نے بھی وہ گھی چنگی والوں کی نذر کر دیا اس طرح کے واقعات ہر روز ہوتے ہیں۔

عوامی حلقوں نے بٹ ٹریڈنگ کمپنی کے ناروا سلوک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو مشتاق احمد بٹ نے بٹ ٹریڈنگ کمپنی کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ کا عطیہ ڈرگ بنک کو دے کر یہ تاثر دیا کہ یہ رقم صرف رفاعی کاموں ہی میں صرف کر رہے ہیں۔ حالانکہ لوگ جانتے ہیں کہ پانچ ہزار روپے کا جو عطیہ ڈرگ بنک کو دیا گیا۔ یہ وہی خون ہے۔ جو غریب عوام کی رگوں سے نچوڑا گیا اور اس کا کچھ حصہ ڈرگ بنک کو دے دیا گیا۔ یاد رہے کہ جب سے بٹ ٹریڈنگ کمپنی نے یہ ٹھیکہ لیا ہے۔ مشتاق بٹ ضرورت سے زیادہ ہی سماجی و رفاعی کاموں میں حصہ لیتے نظر آ رہے ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی عطیہ دیتے رہتے ہیں جو سراسر رشوت کے طور استعمال ہو رہا ہے۔ عوام جانتے ہیں۔ یہی مشتاق بٹ ہیں، جنہوں نے کبھی رفاہی کاموں میں حصہ نہیں لیا تھا۔

گجرات کے سیاسی و سماجی حلقوں نے بٹ ٹریڈنگ کمپنی کی ان دھاندلیوں کی پرزور مذمت کی ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جلد از جلد ٹھیکوں کے نیلام کے خاتمے کے احکامات جاری کرے

لاہور

''میں فراریت پسند نہیں اپنے ملک میں رہونگا''

سابق جسٹس شوکت علی

گذشتہ دنوں مختلف حلقوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ لاہور ہائی کورٹ کے سابق جسٹس شوکت علی پاکستان چھوڑ کر برطانیہ میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں لیکن ۱۶ اکتوبر کو جسٹس شوکت علی نے ایک اخباری بیان میں اس افواہ کی تردید کر دی۔ اس بیان میں انہوں نے کہا کہ وہ فراریت پسند نہیں۔ انہیں اپنے ملک اور پاکستان کے عوام سے پیار ہے۔ ان کے نزدیک کسی غیر ملک میں سکونت اختیار کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اپنے ملک کے عوام کی خدمت کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جب تک بنچ میں رہے کسی خوف اور لالچ کے بغیر اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کرتے رہے۔

جناب شوکت علی نے مزید کہا کہ ''میں ''پاکستان میں عدلیہ'' نامی کتاب لکھ رہا ہوں یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہو گی حصہ اول میں آزادی سے لے کر ۱۹۵۸ء تک کے عدالتی حالات کا ذکر ہو گا۔ دوسرے حصے میں

مارشل لاء سے مارشل لاء تک کے قانونی اور عدالتی واقعات ہوں گے ۔ اور آخری حصے میں عدلیہ کی موجودہ پوزیشن اور اس کے مستقبل کے بارے میں روشنی ڈالوں گا' یہ کتاب دستاویزی شواہد کے علاوہ بحیثیت قانون دان اور جسٹس کے میرے ذاتی تجربات پر بھی مشتمل ہو گی اس کتاب میں جسٹس ایم آر کیانی پر ایک باب ہو گا کیونکہ انہوں نے ہی پاکستان میں قانون کی بالادستی اور آزادی کی مشعل روشن کی تھی''۔

نوشہرو فیروز کی حدود بڑھائی جائیں

علی احمد میمن

نوشہرو فیروز ضلع نواب شاہ کا ایک اہم اور تجارتی شہر ہے ۔ ۱۹۰۵ء میں اسے سب ڈویژنل اور تحصیل کا درجہ دیا گیا ۔ قیام پاکستان کے بعد ہر شہر نے ترقی کی ۔ نئی عمارتیں قائم ہوئیں کارخانے لگے ۔ لیکن نوشہرو فیروز پر اس ترقی کا سایہ تک نہ پڑا گردش زمانہ نے اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں ۔ لیکن انتظامیہ نے کچھ نہیں کیا ۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک کارکن نے نوشہرو فیروز کے عوام کو اپنے حقوق دلوانے کے لئے بھوک ہڑتال کی مطالبات یہ تھے کہ گلیوں کو پکا کیا جائے ۔ مارکیٹ تعمیر کی جائے ٹانگہ اسٹینڈ بنایا جائے اور خاکروبوں کو مناسب سہولتیں مہیا کی جائیں ۔ ابتدا میں انتظامیہ نے کوئی پرواہ نہیں کی ۔ لیکن جب بھوک ہڑتال نے طول پکڑا تو شہری انتظامیہ نے مطالبات مان لئے مگر چند دنوں کے بعد اپنے وعدے سے انحراف کر گئی ۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ ٹاؤن کمیٹی کی آمدنی بہت محدود ہے ۔ اخراجات زیادہ ہیں ۔ اس لئے مطالبات پورے نہیں کئے جا سکتے ۔ محدود آمدنی کی وجہ یہ بتائی کہ شہر کی حدود محدود ہیں ۔ اس لئے آمدنی بھی کم ہے نوشہرو فیروز کی حدود ۱۹۰۱ء میں مقرر کی گئیں تھیں ۔ ۷۰ سال گذرنے کے باوجود انتظامیہ نے حدود بڑھانے کی زحمت گوارا نہیں کی ٹاؤن کمیٹی کے ارباب اختیار نے بتایا کہ شہر کی حدود بڑھانے کا اختیار صرف کمشنر خیرپور کو ہے اور وہ اس سلسلے میں ان سے رابطہ قائم کر رہے ہیں ۔

اب حالت یہ ہے کہ صرف پرائمری اور مڈل گرلز اسکول، سول کورٹ اور ڈسپنسری ٹاؤن کمیٹی کی حدود میں ہیں، گورنمنٹ ہائی اسکول' عباسیہ آرٹس کالج، ڈسٹرکٹ کونسل' دفتر مختار کار' جائنٹ سول کورٹ، اسسٹنٹ کمشنر کا دفتر، ایس ڈی ایم کی عدالت' تھانہ، ڈی ایس پی کا دفتر وغیرہ ٹاؤن کمیٹی کی حدود سے باہر ہیں ۔ نوشہرو فیروز کے عوام کی تحریک پر ٹاؤن کمیٹی کے حکام نے کمشنر خیرپور سے رابطہ قائم کیا تو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ کمشنر خیرپور نے جواب دیا کہ ملحق چار دیہاتوں میں سے کسی ایک پورے دیہات کو ٹاؤن کمیٹی کی حدود میں لینے کا منصوبہ پیش کیا جائے جب کہ نوشہرو فیروز چار دیہاتوں نوشہرو، مرحل' وسایو اور کورحسن پر مشتمل ہے مذکورہ قانونی موشگافیوں کی وجہ سے نوشہرو فیروز کی حدود نہیں بڑھ رہی ہے نتیجتاً محدود آمدنی ہونے کی وجہ سے عوام متاثر ہو رہے ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوشہرو فیروز کی حدود واپڈا کالونی، طالب سونگی، لنڈون اور کورسون تک بڑھا دی جائیں تاکہ ٹاؤن کمیٹی کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور وہ شہر کے ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد کر سکے ۔

کھپرو

معدے کے وبائی امراض پھیل رہے ہیں

نیاز احمد

کھپرو کا محکمہ آب رسانی عوام کے لئے باعث زحمت بن گیا ہے ۔ پانی کو صاف کرنے کا کوئی انتظام نہیں جراثیم کش دوائیاں بھی استعمال نہیں کی جاتیں ۔ جو پانی سپلائی کیا جاتا ہے ۔ اس میں جراثیم کی بھاری تعداد شامل ہوتی ہے جس کی وجہ سے کھپرو میں معدے کے امراض کی وبا عام ہوتی جا رہی ہے متعدد بار مقامی انتظامیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی لیکن ابھی تک کوئی اقدام نہیں اٹھایا گیا ہے کھپرو کی انتظامیہ شہر کی صفائی میں بھی بری طرح ناکام ثابت ہوئی ہے کسی بھی محلہ میں چلے جائیں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آئیں گے ۔ غریب آباد کمہار پاڑہ پرائمری اسکول اور ہائی اسکول کے علاقوں کی حالت اور بھی زیادہ خراب اور تباہ کن ہے ۔

کھپرو ضلع سانگھڑ کا اہم شہر ہے ۔ اس کی آبادی ۰ ہزار کے لگ بھگ ہے ۔ یہاں پر کپاس کے کارخانے برف کے کارخانے فلور ملز اور واٹر سپلائی کا پلانٹ ہے ۔ ان تمام کارخانوں میں تیل کے انجن استعمال ہوتے ہیں جس پر لاگت زیادہ آتی ہے بجلی کی فراہمی کے لئے متعدد بار واپڈا سے رجوع کیا گیا ۔ تو انہوں نے شہر کا سروے کیا لیکن ایک مدت گذرنے کے باوجود بجلی مہیا نہیں کی گئی ۔ حالانکہ کھپرو سے سولہ میل کے فاصلے پر ایک دیہات کو بجلی فراہم کر دی گئی ہے جس کی کل آبادی تین ہزار ہے ۔ عوامی حلقوں نے گورنر سندھ سے استدعا کی ہے کہ کھپرو کو بھی بجلی مہیا کی جائے تاکہ یہ بھی دوسرے شہروں کی طرح ترقی کر سکے ۔

بقیہ : اورنگی ٹاؤن

روپے میں پانی کی ایک گاڑی خریدتے ہیں اور ۲۵ پیسے فی کنستر کے حساب سے فروخت کرتے ہیں ۔ موسم گرما کے زمانے میں ایک کنستر پانی کا نرخ ۳۰ پیسے تک پہنچ جاتا ہے ۔

حال ہی میں مشرقی پاکستان سے آنے والوں کو اورنگی ٹاؤن میں بسایا گیا معلوم ... بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اطلاع دی کہ جماعت ... مشرقی پاکستان سے آنے والے افراد کو جھگیاں ... چٹائی، برتن، کپڑے اور ... خورد و نوش مہیا کر رہی ہے اور ... سلسلے میں اورنگی میں ایک دفتر بھی قائم کیا گیا ہے ۔ ہم نے پورے اورنگی میں ... اسلامی کا دفتر تلاش کیا ۔ ہمیں نظر نہ آیا ۔ لوگوں سے بھی دریافت کیا انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا مشرقی پاکستان سے آنے والوں کو جس علاقے میں بسایا گیا ہے ۔ وہاں پانی نہیں ، یہ بے یار و مددگار پڑے ہیں ۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ جو حضرات اس علاقے میں قومی اور صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے ہیں ! انہوں نے ایک بار بھی یہاں آنے اور ان کے حالات سے باخبر ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔

اس ہفتہ کی اہم خبریں

منعم خان کو گولی مار دی گئی

۱۴ اکتوبر:۔ مشرقی پاکستان کے سابق گورنر منعم خان جنہیں کل چند نامعلوم افراد نے گولی ماردی تھی۔ آج ڈھاکہ میڈیکل کالج میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔

مصنوعی اکثریت کے ذریعہ عوام کو اقتدار سے محروم رکھنے کی سازش

۱۴ اکتوبر:۔ مردان میں پار ہوتی کے قریب ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا، ہماری پارٹی کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے مصنوعی اکثریت پیدا کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ بوگس کاغذی اکثریت کے ذریعہ عوام کو اقتدار سے محروم نہیں رکھا جاسکتا۔ پیپلز پارٹی عوام کے تعاون سے ایسی بوگس اکثریت کو ۴۰ دن سے زیادہ ٹھہرنے نہیں دے گی۔

مشرقی پاکستان کی چھ ہم خیال سیاسی جماعتوں پر مفتی محمود کی نکتہ چینی

۱۵ اکتوبر:۔ جمیعت العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے جنرل سیکرٹری اور قومی اسمبلی کے رکن مولانا مفتی محمود نے مشرقی پاکستان کی چھ ہم خیال سیاسی جماعتوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے قومی اسمبلی کی ۷۸ نشستوں کو پہلے ہی آپس میں بانٹ لیا ہے۔ اور ہر پارٹی کو بارہ بارہ نشستیں ملنے کی توقع ہے۔

پاکستان نے بھارت کو ہرا دیا

۲۲ اکتوبر:۔ بارسلونا میں پہلے عالمی ہاکی کپ ٹورنامنٹ کے سیمی فائنل میں پاکستان اپنے حریف بھارت کو ایک کے مقابلے میں دو گول سے شکست دے کر فائنل میں پہنچ گیا

پاکستان نے عالمی کپ جیت لیا

۲۴ اکتوبر:۔ عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں آج پاکستان اسپین کو صفر کے مقابلے میں ایک گول سے ہرا کر عالمی اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پاکستان کی طرف سے واحد گول اختر الاسلام نے کیا۔

مسٹر بھٹو کا غیر ملکی دورہ

۲۴ اکتوبر:۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مصر، لیبیا اور فرانس کے دورے پر روانہ ہوگئے

مہاجروں کے قتل عام میں جماعت اسلامی کا ہاتھ

۱۸ اکتوبر:۔ انجمن مہاجرین پاکستان کے صدر دیوان وارث حسین نے عوامی لیگ، جماعت اسلامی اور کنونشن مسلم لیگ پر الزام عائد کیا کہ ان سیاسی جماعتوں نے مہاجروں کے قتل عام اور لوٹ مار میں حصہ لیا۔ دیناج پور میں جماعت اسلامی کے امیر نے مہاجروں کی نشاندہی کرکے انہیں قتل کرایا۔

قِسمت اور معجزوں پر بھروسہ کب تک ؟

گول بنانے کی ذمّہ داری دفاعی کھلاڑیوں کو انجام دینا پڑی

لطافت علی صدیقی

سرمایہ دار، سرمایہ دار ہی رہتا ہے۔ حبیب بنک ہمارے ملک کا امیر ترین بنک ہے۔ اس کے اپنے ہیرو ۲۱ سالہ منور زمان نے ہاکی کے بین الاقوامی مقابلے میں بھارت کے خلاف فیصلہ کن گول کیا۔ جمعہ کے دن جب پاکستان نے اپنے حریف بھارت کو شکست دی تو یہ مقبول ادارہ مکمل سکوت اور خاموشی میں ڈوبا رہا۔ یہ خاموشی اتوار یعنی ۲۴ر اکتوبر تک رہی، جس روز فائنل مقابلہ ہونا تھا۔ اگر یہ دولتمند ادارہ نوعمر کھلاڑی کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام کا اعلان کرتا تو اس میں اس کا کیا بگڑتا۔ ویسے بھی اسے کم از کم اپنی پبلسٹی کی خاطر یہ قدم اٹھانا چاہیئے تھا۔

اتوار تک پریس میں اس ادارے کی طرف سے تعریف کا ایک لفظ بھی شائع نہ ہوا۔ ان کے پاس دولت کی کمی نہیں، ان کے خزانے میں کروڑوں روپے ہوں گے؛ وہ کھلاڑیوں کو سونے یا چاندی کے میڈل دے سکتے ہیں خاص طور پر فل بیک تنویر ڈار جس نے سب سے زیادہ یعنی آٹھ گول کئے، رشید جونیئر، اور اختر الاسلام جس نے ایک گول کر کے اسپین پر پاکستان کی برتری قائم کر دی۔

شاید ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سرمایہ دار ہمیشہ اپنے منافع کو پیش نظر رکھتا ہے اور نقصان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

پاکستان کو اس عالمی کپ کو جیتنے کے لئے بے شمار نشیب و فراز سے گذرنا پڑا اس میں شک نہیں کہ ہم نے عالمی کپ جیت لیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقابلوں کے دوران ہماری کمزوریاں اور خامیاں ظاہر نہ ہوئیں۔ اور ہمارا ریکارڈ بالکل صاف ستھرا رہا۔

یہ ہماری خوش قسمتی اور معجزہ تھا جس نے ہمیں ایک تباہی سے بچا لیا۔ اسپین نے پول بی کے مقابلے میں ہمیں ہرا دیا تھا پھر بھی ہم عالمی کپ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، دوسرا معجزہ اس وقت رو نما ہوا جب جاپان جیسی کمزور ٹیم نے ہالینڈ کی طاقتور ٹیم کو ہرا دیا۔ ہالینڈ کی ٹیم پاکستان کی ٹیم سے ۲-۲ پر مقابلہ برابر رکھ چکی تھی۔ اور اس طرح ہم ہالینڈ پر جاپان کی برتری سے ہی فائنل میں پہنچ گئے۔

ان معجزوں سے ہاکی کے پاسوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے اور مستقبل کے لئے ٹیم کو طاقتور بنانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بات یقینی نہیں کہ خوش قسمتی ہمیشہ ہمارا ساتھ دے خاص طور پر میونخ کے اولمپک کے مقابلے۔

ہماری کمزوری کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہم نے دفاعی کھلاڑیوں پر انحصار کئے رکھا بمثال کے طور پر ہماری ٹیم نے ۱۴ گول کئے۔ اس میں سے فل بیک تنویر ڈار نے آٹھ گول، منور زمان نے ایک اور اختر الاسلام نے ایک گول کیا۔ گول کرنے کی ذمہ داری فارورڈ پر ہوتی ہے مگر افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ فارورڈ نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہیں کیا۔ چھ میچوں میں ان کے گول کا اسکور ۴ رہا۔ یہ ان کی طرف سے کھیل کا افسوسناک مظاہرہ ہوا ہے۔

اپنی ٹیم کی کمزوری کا اندازہ ایک اور بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اولمپین لفٹ آؤٹ جہانگیر بٹ کو وائٹ ہاف کھیلنے کے لئے بلایا گیا جبکہ اصل رائٹ ہاف اختر رسول کو جو پچھلے دروازے سے ٹیم میں شامل ہوا تھا ناکام کھیل پر خارج کر دیا گیا تھا۔

پاکستان ہاکی فیڈریشن کے صدر جنرل اظہر جنہوں نے پاکستان کو ہالینڈ کے مقابلہ میں میچ برابر کرتے اور اسپین کے مقابلے میں ہارتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اب کوئی ناانصافی نہ ہونے دیں گے۔ اور آئندہ کھلاڑیوں کے انتخاب میں صرف اور صرف بہتر کھیل کو معیار بنایا جائے گا۔

ہمیں خوش قسمتی اور معجزے کی بجائے اپنی طاقت اور صلاحیتوں پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

بقیہ: پاکستان کے سفارتخانے

میں عوام کو جن پریشانیوں کا سامنا ہے۔ اس سے جلد از جلد چھٹکارا مل جائے۔" اخباری رپورٹ کے مطابق یہ جواب سن کر کوئی جواب نہیں دیا گیا بلکہ ٹیلیفون بند کر دیا گیا۔

ممکن ہے، کچھ لوگ اس واقعہ پر اعتبار نہ کریں اور اسے پاکستان کو بدنام کرنے والی سازش کا ایک حصّہ قرار دیں۔ چلیئے اگر اس واقعہ کو ہم نے من گھڑت اور بے بنیاد پروپگنڈہ تسلیم کر لیں تو تو آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم کے اس بیان کو کس خانے میں فٹ کریں گے۔ جس میں موصوف نے ایک پاکستانی سفیر کے صاحبزادے کی جنس کے بارے میں شبہ کا اظہار کیا تھا۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ بیرون ملک انہیں ایک پاکستانی سفارت خانے کے استقبالیہ میں شرکت کرنا پڑا۔ وہاں انہیں ایک خاتون نظر آئی۔ لمبے لمبے سیاہ بال، پھولدار لباس، نازک بدن اور عشوہ طرازیاں الگ سے۔ پھر اچانک اس خاتون کی جنس تبدیل ہو گئی۔ اور لڑکی سے لڑکا بن گیا... موصوف نے عملہ کے ایک آدمی سے اس خاتون نما مرد کے بارے میں استفسار کیا۔ بتایا گیا۔ "جناب والا یہ تو ہمارے سفیر کے صاحبزادے ہیں!"

اگرچہ آپ اس واقعہ پر بھی ایمان نہ لائیں۔ تو یقین کیجئے۔ آپ کے ایمان پر شبہ ہونے لگے گا۔ کیونکہ راوی کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ آزاد کشمیر کے صدر ہیں



قارئین کہتے ہیں

عوام کے خلاف فرعون، ہامان اور قارون کا گٹھ جوڑ

فساد آدمیت کی تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے تین گوشے نمایاں نظر آتے ہیں۔ استبداد حکومت کی سرکش طغیانیاں، مذہبی پیشوائیت کی فسوں خیز فریب کاریاں اور سرمایہ داری کی خون آشامیاں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فتنہ انسانیت کا گلا گھونٹنے کے لئے کافی ہے۔ مدیر صاحب! ذرا سوچیے کہ جس دور میں بیک وقت بربریت کے ایسے ہولناک عفریت، فضا میں تباہی و بربادی کا زہر گھولنے والے جراثیم اور دریا کی سکون انگیز روانیوں کے نیچے ایسے خوفناک نہنگ موجود ہوں۔ تو وہاں خدا کی مخلوق پر کیا قیامت گذر رہی ہوگی؟ فرعون استبداد ملوکیت کا مجسمہ، ہامان مذہبی پیشوائیت کی ابلیسانہ روباہ بازیوں کا پیکر اور قارون نظام سرمایہ داری کی لعنت کا سب سے بڑا نمائندہ، اس وقت یہ تینوں یکجا، اور ان کے آہنی پنجے میں تڑپتی، بلبلاتی پاکستان کی مظلوم قوم، دوسری طرف قارونیت۔ اور ان کا تختۂ مشق بے چارے غریب عوام۔ بقول اقبال

؎ اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

جب قارونیت کو اپنی شکست نظر آتی ہے تو مذہبی پیشوائیت اس کے تحفظ کے لئے آگے بڑھتی ہے حکومتی سطح پر رہی سہی کسر فرعونیت پورا کرتی رہتی ہے۔ یہ ایک ہی تصویر کے تین رُخ ہیں، اور اسی "چکر" سے غریب عوام کا استحصال ہوتا رہتا ہے۔ "الفتح" ان تینوں عوام دشمن عناصر کے خلاف جس جرأت رندانہ سے نبرد آزما ہے وہ صرف اسی کا حصّہ ہے۔ "الفتح" کے ایک ایک لفظ میں دکھی انسانیت کا درد پوشیدہ نظر آتا ہے۔ وہ تمام کارکن جن کے سینوں میں درد آگیں قلب ہیں اور جو "الفتح" کی ترتیب و تدوین میں حصّہ لیتے ہیں، وہ مستحق تہنیت ہیں۔ الفتح کے تقریباً تمام کالم بڑے جاندار ہوتے ہیں، مجھے آپ کا یہ فکر انگیز کالم "سنو آواز آرہی ہے" بہت پسند ہے آزادیٔ فلسطین کی تحریک "الفتح" پر بھی کوئی مضمون لکھیں۔ چین کی روزمرّہ زندگی کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلوماتی مضامین لکھا کریں۔ (ارشد محمود۔ سیالکوٹ)

کنٹونمنٹ بورڈ کے تمام تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا جائے

اس ہفتے کا شمارہ نظر سے گذرا۔ آپ نے راولپنڈی کنٹونمنٹ بورڈ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ اصل حالات کا دس فیصد بھی نہیں، براہ مہربانی اس ادارے کی دھاندلیوں کو وضاحت کے ساتھ عوام اور حکومت کے سامنے پیش کر کے ہم لوگوں پر احسان فرمائیں۔

آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ حکومت نے ٹیچروں کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن بورڈ نے ابھی تک ٹیچروں کے اسکیلوں میں اضافہ نہیں کیا۔ حکومت کے ملازمین دوسری مرتبہ تفریحی الاؤنس لے رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ایک بار بھی نہیں ملا۔ کل ٹیچروں کے ایک تہائی کو اس سال دیا ہے اور باقی لوگوں کو ملنے کی اب کوئی امید نہیں، ہمارے ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل ہمارے لئے ڈکٹیٹر سے کم نہیں۔

تین سال سروس کے بعد خود بخود ملازم مستقل ہو جاتے ہیں لیکن بورڈ میں دس دس سال ملازمت کرنے کے باوجود لوگ عارضی آسامیوں پر کام کر رہے ہیں۔

کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی کے ٹیچروں نے ایک یونین بنائی تھی جس کو بورڈ نے باقاعدہ منظور کیا تھا۔ لیکن پچھلے ماہ بغیر کسی وجہ کے ہماری یونین کو ختم کر دیا گیا ہے اور ہمیں مطلع کیا گیا کہ ہم یونین بنانے کے مجاز ہی نہیں۔

ہم لوگ آپ کے جریدہ کی وساطت سے اپنی آواز حکومت تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں ہماری پوری مدد فرمائیں گے اور غریب اساتذہ کی دعائیں لینگے

ہم حکومت سے التماس کرتے ہیں کہ فیڈرل ایریا بننے کے بعد کنٹونمنٹ کے تمام اداروں کو اپنی تحویل میں لے لیں

(ایک ادنیٰ ٹیچر، راولپنڈی کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی)

جامعہ ملیہ کالج ملیر سٹی پر مودودی جماعت کا قبضہ

آپ نے تعلیمی اداروں میں مودودی جماعت کے خلاف جو قدم اٹھایا ہے۔ وہ قابل تعریف ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ کیونکہ ابھی تک بہت سے تعلیمی ادارے ایسے ہیں جو باقاعدہ مودودیت کے گڑھ بنے ہوئے ہیں۔

کراچی میں خاص کر جامعہ ملیہ کالج ملیر سٹی ہے باقاعدہ اس جماعت کے زیر اثر ہے۔ میں بھی اس کالج کا طالب علم ہوں۔ ہنگامے کے دن کے بعد سے ہم پر انہوں نے جو ظلم روا رکھا ہے۔ اس کا ہمیں کو اندازہ ہے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اب انہوں نے باقاعدہ این ایس ایف اور بی ایس او کے طالب علموں کا داخلہ بند کروایا ہے۔ پرنسپل صاحب نے خود یہ کہا کہ "جماعت اسلامی کے زیر اثر رہے گا۔ اور کسی کو اس میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہیئے"۔

اگر آپ کہیں تو میں ایک مضمون اس تعلیمی ادارے کے بارے میں لکھوں یا اس ادارے کے بارے میں معلومات کر کے کچھ نہ کچھ ضرور لکھیئے ورنہ ہم پر ظلم ہوتا رہے گا۔

اس سال باقاعدہ ہمارے خلاف نئے نئے منصوبے تیار ہو رہے ہیں اور پرنسپل نے ایک بار "شورش" سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ "آئندہ یہاں آپ کو کوئی سُرخا نظر نہیں آئیگا" میں نے بمشکل تمام داخلہ لیا ہے مگر میرے کچھ ساتھیوں کو جرمانہ ادا کرنے کے باوجود پرنسپل صاحب نے داخلہ نہیں دیا۔

آخر میں میں پھر آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ اس کالج کے بارے میں معلومات کر کے کچھ نہ کچھ ضرور لکھ دیں۔

(ایک طالب علم سیکنڈ ائر آرٹس ملیر ہالٹ کراچی)

بقیہ: سرورق کی کہانی

چند سالوں میں اپنے شرکا کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ "ہذا من فضل ربی" کی مصداق اب موصوف صنعت کار بیسوں مشترکہ سرمایہ کمپنیوں سے چیئرمین، ڈائریکٹر وغیرہ کی حیثیت سے وابستہ ہیں اور پاکستان کی تاجر برادری کی نمائندگی اور قیادت بین الاقوامی تاجر برادری کے اجتماعات میں کرنے شرف بھی انہیں ہی حاصل ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد فوجی حکومت نے ایک آرڈیننس نافذ کیا جس کے تحت تاجروں اور صنعت کاروں کو ہدایات دی گئی کہ وہ مختلف ناجائز ذرائع یعنی ذخیرہ اندوزی چور بازاری اور ملاوٹ کے ذریعے کمائے جانے والے "کالے پیسے" کو جسے انہوں نے (تاجروں نے) چھپا رکھا تھا ظاہر کر دیں ورنہ ان کے خلاف سخت قانونی کارروائی کی جائیگی چھپی ہوئی دولت کے آرڈیننس کے نفاذ کے بعد متوسط درجے کے تاجروں اور صنعت کاروں نے اپنے "کالے پیسے" کو سفید بنانے کے لئے گوشوارے بھرنا شروع کر دیئے لیکن بڑے تاجروں اور صنعتکاروں نے فوجی احکامات پر توجہ نہیں دی حکومت نے بروقت اقدام کے ذریعے موصوف صنعت کار اور اسلام پسند تاجر صنعت کار مسٹر لے کے سومار سمیت چار افراد کو گرفتار کر لیا۔ ان افراد پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ تاجروں اور صنعت کاروں کو بھڑکا رہے ہیں کہ وہ اپنی ناجائز ذرائع سے کمائے ہوئے "کالے پیسے" کو ظاہر نہ کریں۔

"اپنے قائدین کی گرفتاری کے بعد بڑے تاجروں نے دھڑا دھڑ "چھپی ہوئی دولت" کے گوشوارے بھرنا شروع کر دیئے اور چند ہی دنوں میں ایک ارب روپے سے زائد چھپی ہوئی دولت تہہ خانوں، لاکروں و دیگر خفیہ مقامات سے باہر نکل آئی پیسے میں بڑی طاقت ہے سابق صدر ایوب خان کی فوجی حکومت نے جن تاجروں کو حکم عدولی اور عدم تعاون کے جرم میں گرفتار کیا تھا رہائی کے چند مہینوں بعد وہ ہی اسلام پسند اے کے سومار اور موصوف صنعت کار ایوب خان کے گلے کا ہار بن گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب سابق صدر اور ان کے اعزاء مراعات یافتہ تاجروں اور صنعتکاروں کی چھوٹی سی برادری میں شامل ہو گئے۔ عرف عام میں جسے ۲۲ خاندانوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

موصوف صنعت کار۔ اور ان کے چیلے چانٹوں کے مگر مچھ کے آنسوں سے روزانہ اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہوتے ہیں۔ ایک طرف ملکی معیشت مفلوج ہے لیکن ان کی "سرگرمیاں" پہلے سے زیادہ تیزی سے جاری ہیں ملک اقتصادی کساد بازاری میں مبتلا ہو۔ یا ملکی سالمیت کو بھارتی توسیع پسندوں کا خطرہ لاحق ہو ان کے معمول میں فرق نہیں آسکتا۔

ان کے کارناموں کا پردہ چاک کرنے کے لئے آئندہ کسی نشست میں قارئین کو حقائق سے آگاہ کیا جائے گا۔

بقیہ: عابد زبیری کے اعترافات

اور تہذیب و ثقافت کو مدنظر رکھتے ہوئے انقلاب کی راہیں مارکسزم، لینن ازم اور ادکار ماؤزے تنگ کی روشنی میں متعین کرتے لیکن ہم نے چلا چلا کر کہا "ہم لانگ مارچ کریں گے"۔ "فلاں شہر کو لینن گراڈ بنا دینگے" یا "جنرل سٹرائک کر کے کسی شہر پر قبضہ کر لیں گے اور پورے ملک میں انقلاب لے آئیں گے"۔ بعض دوستوں نے ان ہی نعروں سے متاثر ہو کر کارخانوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوششیں کیں۔ ہم یہ بھول گئے کہ پاکستان کے کسی صوبے یا علاقے پر انقلابیوں کا قبضہ نہیں جس کی عوامی فوج لانگ مارچ کرنے کو تیار ہو، ہمیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس ملک میں کوئی ایسی شہنشائیت نہیں جس کا چراغ گل ہو رہا ہو۔ جس کی فوجوں کو شکست ہو رہی ہو، اور جو ہماری مزاحمت کے لئے فوج لانے میں دشواری محسوس کرتی ہو۔ دراصل ہم نے اپنے ملک کے حالات کا تجزیہ نہیں کیا۔ اور نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ ہمارے ملک میں طبقاتی جدوجہد کو کونسی چیزیں کند کرتی ہیں اور کن راہوں پر طبقاتی جدوجہد کو تیز کر کے انقلاب کی راہوں کو ہموار کر سکتے۔ درحقیقت یورپی اور چینی طرز کی کلاسیک ہمارے ملک میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہمارا نظام زندگی ہندوانی طرز کی ذات پات کی تقسیم میں ڈھلا ہوا ہے جس طرح سے ہندوؤں میں برہمن کا تقدس ہے ایک غریب سے غریب برہمن امیر سے امیر شودر سے بالاتر ہوتا ہے اسی طرح ہمارے معاشرے میں ایک سید، ایک پیر خواہ اس کی بسر اوقات خیرات اور چندے پر ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ معاشرہ میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جب تک ہم ان تضادات کو جدلیات کے نظریہ میں نہیں ڈھالتے اس وقت تک ہم صحیح راہ عمل اختیار نہیں کر سکتے ہم انقلاب کے نام پر جو بھی جماعت بنائیں گے وہ آگے چل کر غیر انقلابی اور بورژوا جماعت بن جائے گی۔

میں اور میرے جیسے بورژوا "انقلابی" اپنی انا کی تسکین کے لئے اپنے ہی طبقے کے لوگ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر ۲۰ ہزار مزدور "عابد زبیری زندہ باد" کا نعرہ لگائیں اور یہ نعرہ ان کے ساتھ کلبوں میں بیٹھنے والے دوست نہ سن پائیں یا اس کی خبر اخباروں میں نہ پڑھیں تو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ جن لوگوں کی محفل میں میں اپنے آپ کو "انقلابی" کہتا ہوں جب وہی لوگ "عابد زبیری زندہ باد" کا نعرہ نہ سن پائیں۔ تو رعب کیسے قائم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے لوگ جب کوئی انقلابی جماعت بناتے ہیں اسے بورژوا جماعتوں سے وابستہ کر دیتے ہیں ۱۹۲۰ء سے اس ملک کی انقلابی تحریکیں گواہی دیتی ہیں کہ ہم نے ہر دور میں ہر انقلابی تحریک یا تنظیم کو آگے بڑھا کر بورژوا تنظیموں میں ضم کر دیا ہر جگہ متحدہ محاذ کا ڈھونگ رچایا "اتحاد اور جدوجہد" کے اصول کا مذاق اڑایا۔ ہم اتحاد کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن جدوجہد غائب ہو گئی۔ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کی پارٹی نے سی۔ آر۔ اسلم کی قیادت میں لیاقت علی خان کے خلاف جماعت اسلامی ایسی رجعت پسند اور سامراج نواز جماعت سے متحدہ محاذ بنایا۔ ہم میں سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ ہم مزدور کسان کی باتیں کرتے ہیں ہم کہتے ہیں دیہات انقلاب کے سرچشمہ ہیں لیکن ہم دیہات میں نہیں جاتے، کیونکہ وہاں ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں کاروں، شراب اور کباب سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے ہم نے ہمیشہ دیہاتوں سے دور رہ کر صرف شہروں میں کام کیا اور انقلابی سرچشمہ سے دور رہ کر انقلاب کا نعرہ لگایا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم غلطیوں کا اعتراف کر کے صحیح راہ عمل اختیار کریں ورنہ مستقبل کی تاریخ میں ہم جیسے انقلابیوں کا نام انقلاب دشمنوں کی صفوں میں لکھا جائے گا۔

چور راستہ
برائے
برسر اقتدار جماعتیں

پولنگ سنٹر برائے
ضمنی انتخابات
(مشرقی پاکستان)

بلاعنوان



ویوان وراثت حسین صدر انجمن مہاجرین مشرقی پاکستان نے کہا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ کے ساتھ جماعت اسلامی نے بھی قتل عام کیا۔ (ایک خبر)

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
28.OCT _ 4, NOV, 1971